انما الاعمال بالنیات

REGD, NO: H-694

R.N-8319/66

ضلع کرنول سے شائع ہونے والا اردو کا واحد مذہبی اخبار

پندرہ روزہ

عزیز

کرنول

ماہانہ ایڈیشن

اڈیٹر: عبدالعزیز رحمانی

سرپرست: الحاج سید احمد صاحب مدظلہ رئیس التجار موٹر تار ضلع نظام آباد

قیمت سالانہ
معاونین سے: دس روپے
عام خریداروں سے: چھ روپے

جلد (۴) | یکم فروری ۱۹۶۹ء مطابق ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ روز شنبہ | شمارہ (۲۱ و ۲۲)

رمضان آیا اور گذر گیا۔ لوگوں نے خوشیاں منائیں۔ یہ ماہ مبارک دور قیقی ارباب بصیرت اور چشم بینا کے لئے عبرت کا سبق ہے۔ قوم کے زوال اور انحطاط کا آئینہ ہے۔ اس مقدس مہینہ میں بیشمار لوگوں کی عیاری فریب سازی اور مکاری نمایاں ہو رہی تھی۔ یعنی ہر روز نئے سفیر آتے تھے۔ اور اپنی راگنی سناتے تھے۔ کوئی کہتا تھا میں فلاں مدرسہ کا سفیر ہوں کوئی کہتا کہ میں فلاں مسجد کے لئے آیا ہوں اور ہر ایک رحمت و برکت کے دھارے وہ لاتے اور بہا برساتے تھے۔ گویا اللہ نے اپنی رحمت اور برکت کے خزانے ان سفیروں کے سپرد کر دیا ہے کہ جو کوئی ہمارے مدرسہ کو چندہ دے اس پر یہ برسا دو۔ اور خزانے بلکہ خدائی قربان کر دو۔ اور جو مدرسہ کو چندہ نہ دے اس کا نام جہنم کی تہہ تک پہنچا دو۔ اور اوپر سے قہر خداوندی کی آگ برسا دو۔ لوگ اطمینان سے بیٹھے سنتے ہیں۔ اور دل کھول کر چندے دیتے ہیں۔ اس طرح ہر سال لاکھوں بلکہ تقریباً کروڑ روپیہ علم کی بھینٹ چڑھ رہا ہے۔ لیکن قابل افسوس ایک عالم بھی تیار نہیں ہو رہا ہے۔ افسوس ہے اس کو احساس آج تک نہ کسی مالدار کو ہوا اور نہ کسی عالم کو ہوا۔ اس کا اولین احساس اہل حدیث کا فرض تھا وہ بھی بے حس ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو آئندہ اسلام کو خیرآباد کہے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

ان سفیروں میں بہت زیادہ ڈاکو، لٹیرے اور حرامی ہیں ان کا کوئی مدرسہ نہیں ہے۔ صرف رمضان میں صرف کی صورت بنائے نکلتے ہیں۔ جب تک کسی مسجد میں مقیم ہیں نماز پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں جب وہ مسجد سے باہر نکلتے ہیں نماز اور روزہ مسجد ہی میں چھوڑ جاتے ہیں۔ لوگوں کی آنکھ بچا کر کھانا پانی بیڑی سگار سب استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک سال کا روپیہ فراہم کر لیتے ہیں۔ اور سال بھر لہو لعب اور خرافات میں گزار دیتے ہیں۔ دوسری قسم ان سفیروں کی ہے جو کہیں مسجد میں دو چار لڑکے یا لڑکیاں حروف تہجی پڑھتے یا پارہ عم کی تعلیم پاتے دیکھ لیتے ہیں تو اسی کا اشتہار دیتے اور روپیہ لوٹتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ ان سفیروں کا مدرسہ سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ بدمعاش اور حرامی لوگ ہوتے ہیں اور ہر برس کا چندہ فراہم کر لیتے ہیں سنا ہے ہر رمضان میں وزیا نگرم میں کوئی عبدالکریم نامی مدرسہ کا چندہ وصول کرتا ہے۔ اور شہر کرنول و علاقہ کرنول کا سفیر بتاتا ہے۔ حالانکہ کرنول میں کوئی مدرسہ نہیں ہے اور نہ کوئی سفیر ہے۔ وزیا نگرم کے لوگوں کو چاہئے کہ ایسے آدمی کو فوراً پولیس کے حوالہ کریں۔ اسی طرح جاگتیال کے دو سفیر نکلے تھے۔ جب ان کو گرفتی کی اور معائنہ کیا۔ معلوم ہوا کہ صرف لڑکیاں مسجد میں شیخ یہ بیرون صاحب ابتدائی تعلیم دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا پانچ مہینے سے ہمیں کچھ نہیں ملا ہے نہ کہا آپ کی طرف سے دو سفیر کام کر رہے ہیں۔ مولوی نے کہا۔ یہاں کوئی سفیر نہیں ہے۔ ہم تو بچوں سے کچھ کچھ حاصل کر لیتے ہیں کچھ مدارس ایسے ہیں جہاں نام و نمود کے لئے دو چار لڑکے رکھ لیتے ہیں اور اللہ سے زیادہ تر جھوٹ کام لیتے ہیں۔ موقع پر زد و کوب بھی کرتے ہیں پھر انہیں کے نام سے ہزار ہا روپیہ وصول کرتے ہیں۔ جب ان سے مدارس کے آمد و خرچ کی روئداد پوچھی گئی تو مجبوراً روئداد شائع کی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ فلاں صاحب نے اتنے ہزار روپیہ دیا ہے حالانکہ وہ صاحب ایک پیسہ بھی نہیں دیتے۔ یہ مکاری اور فریب سازی اس لئے کی جاتی ہے کہ دوسروں کو یقین ہو کہ مدرسہ چل رہا ہے اور لوگ خوب چندہ دے رہے ہیں۔ اس یقین پر دوسرے بھی زیادہ سے زیادہ تر چندہ دیں۔ اس سے اندازہ لگائیے جس روئداد کی شہ ہی جھوٹی ہو تو خرچ کتنا جھوٹا ہوگا۔ یہ جتنے عربی مدارس ہیں جن پر مسلمانوں کو ناز اور فخر ہے۔ اور ہر سال بے حساب روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ یعنی ان مدارس کا آل یہ ہے روپیہ کی بربادی علم کی ذلت و خواری اور لڑکوں کی پامالی۔

افسوس تو ان مدارس پر نہیں ہے بلکہ ان امراء پر جنہوں نے ان مدارس کو چندہ دے دے کر قوم کے نونہالوں کو پامال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے علاوہ دو عربی مدارس ہیں جہاں کی اصلی تعلیم تو محض مولوی فاضل منشی فاضل ہے۔ لڑکے کسی ہائی اسکول کے معلم اور منشی تو بن سکتے ہیں لیکن رضوا و عبادت کے مسائل سے واقف نہیں ہوتے بنابریں ان لڑکوں کو مذہبی رہبر سمجھنا جہالت اور نادانی ہے۔ ایسے مدارس میں ایک دو گھنٹہ بخاری یا مسلم کے لئے ہی رکھ لیجئے تاکہ عوام سے چندہ بھی وصول ہو سکے لیکن ایسی تعلیم سے مذہب کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔

اب کچھ ایسے مدارس تیار ہو رہے ہیں جن کی طرف قوم کا تجسس لگی ہیں اور ہر شخص کو امید ہے کہ عربیہ مدرسہ اور دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے مطابق ہوگا۔ حاشا و کلا۔ یہ خیال است و محال است و جنون۔ کہاں سے لاؤنگی بلبل نہیں میلا ترا بیری۔ شیخ عطاء الرحمن مرحوم قدہ اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ اللھم ادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر و عذاب النار۔ کا خلوص ایثار و قربانی۔ بچوں سے پیار و محبت اور تعلیمات پرکھنا۔ نگرانی اور خود للہیت کا پیکر خدا ترسی کا ہیکل۔ یہ خوبیاں تھیں کہ رحمانیہ دہلی کو منور کر دیا۔ اور آج بھی اسی کی ضیا پاشیت ہندوستان جگمگا رہا ہے۔ یہ خوبیاں دوسری جگہ کہاں ہیں کہ ابھی سے لڑکوں میں مستطیع اور غیر مستطیع کی تفریق کی گئی ہے۔ جس سے لڑکوں میں منافرت کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ اور مدرسہ سے للہیت ختم ہو سکتی ہے۔

سب سے زیادہ عجیب چیز یہ ہے کہ عربی مدارس میں جب بخاری ختم ہوتی ہے یا سالانہ امتحان کا نتیجہ سنایا جاتا ہے تو اس وقت مدرسہ میں جلسہ ہوتا ہے جس کی صدارت اور سرپرستی کے لئے سب سے بڑا مالدار کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان جلسوں میں صدارت کے لائق اور قابل علماء ہوتے ہیں وہی سب سے زیادہ صدارت کے مستحق اور سزاوار ہیں۔ لیکن ارباب مدرسہ کی نظر میں مالدار رہتے ہیں۔ انہیں بار بار ڈالا جاتا ہے۔ ہر کارے نیز دوڑائے جاتے ہیں آخر اس کو کھینچ لایا جاتا ہے۔ اس کا اہتمام اور انتظام امید سے زیادہ کیا جاتا ہے کہ وہ کون جانب (باقی صفحہ پر)

حضرت اسماء رضی اللہ تعالےٰ عنہا

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں اور ہجرت مدینہ سے ستائیس سال قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ اسماء نام رکھا گیا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو آپ نے ان دونوں رفقائے کرام کا سامان سفر تیار کیا لیکن گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے اس سامان کو باندھ دیتیں۔ تو آپ نے اپنا نطاق جسے عرب عورتیں کمر سے باندھتی ہیں، دو ٹکڑے کر کے اس سے سامان باندھا تھا۔ اسلام سے اسی عمل کی وجہ سے آپ ذات النطاقین کے لقب سے مشہور ہوئیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے آپ نے آنکھ کھولتے ہی خود کو اسلامی ماحول میں پایا۔ چنانچہ مورخین کے بیان کے مطابق آپ "السابقون الاولون" میں شامل ہیں۔ یعنی اسلام لانے والوں میں آپ کا نمبر اٹھارواں ہے۔ آپ کی تربیت پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خصوصی توجہ فرمائی۔ اور آپ سن شعور کو پہنچیں تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی۔ لیکن اس زمانہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی مالی حالت بیحد خراب تھی۔ اُن کی ملکیت صرف ایک اونٹ اور گھوڑا تھا۔ چنانچہ ان دنوں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کیلئے بہت سی دشواریاں اور تنگیاں تھیں وہیں ان جانوروں کی خدمت بھی آپ کے ذمہ تھی۔ آپ خود اپنے ہاتھ سے گھوڑے کو دانہ اور گھاس دیتیں۔ اونٹ کی دیکھ بھال کرتیں۔ اور اسکے علاوہ گھر کے سارے کام کرتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کچھ زمین عطا کی تو آپ وہاں جا کر کھجوروں کی گٹھلیاں چنتیں۔ وہ زمین گھر سے تین فرلانگ دور تھی۔ چنی ہوئی گٹھلیاں وہاں سے سر پر لاد کر لاتیں۔ ایک دن آپ گٹھلیوں کی گٹھڑی اسی طرح سے سر پر رکھے لا رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا۔ آپ اونٹ پر سوار تھے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو اس حالت میں دیکھ کر بیتاب ہو گئے۔ اور فوراً اونٹ کو بٹھا دیا کہ اسماء رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہو جائیں لیکن ان کا مارے شرم کے برا حال ہو رہا تھا۔ آخر اونٹ پر نہ بیٹھیں اور چلی گئیں۔

شاید اسی واقعہ کی بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ایک غلام آپ کو دیا جس کی وجہ سے آپ بہت سے کاموں کے بارے میں سبکدوش ہو گئیں۔ اس سے آپ کو اتنی راحت ملی تھی کہ اس کو یاد کر کے فرمایا کرتی تھیں۔ "فکانما اعتقنی ابوبکر" (جیسے یہ ایک کوئی لونڈی تھی۔) ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہربانی نے گویا مجھے اس غلامی سے آزاد کرا دیا۔

اگرچہ اس غلام کی وجہ سے ایک حد تک راحت مل گئی تھی لیکن افلاس و تنگدستی تو باقی ہی تھی۔ جس کی وجہ سے آپ ناپ تول کر خرچ کیا کرتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس سے منع فرمایا کہ تم اگر اسی طرح خرچ کرو گی تو خدا بھی تمہیں اسی طرح ناپ تول کر دے گا۔ حضور کے منع فرمانے کے بعد آپ نے اپنی یہ عادت ترک کر دی تھی جس کی برکت آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اس کے بعد آپ کو کافی کشائش ہوئی۔ اور پھر کبھی تنگدستی سے دوچار نہیں ہوئیں۔

یوں بھی آپ خوب خیرات کرتی تھیں کبھی کوئی سائل آپ کے در سے خالی نہ گیا۔ جو کچھ بھی گھر میں ہوتا آپ سوالی کو ضرور دے دیا کرتی تھیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک زمین ان کو ملی تو آپ نے اسے ایک لاکھ درہم میں فروخت کر کے کل رقم فوراً ہی غرباء و مساکین کو تقسیم فرما دی۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مال ان کے پاس رہتا تھا۔ تو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا میں زبیر رضی اللہ عنہ کے مال سے فقراء کو صدقات دے سکتی ہوں۔ اور جب حضور نے اس کی اجازت دیدی تو آپ بے حساب دینے لگیں۔ الغرض اتنی تنگدستی و مفلسی کے باوجود ایسی ہی فیاضانہ ان کا طریق کار رہا اور اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نظر میں کوئی دوسری عورت ان جیسی نہیں تھی۔

آپ کے سات بچے ہوئے جن میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہجرت مدینہ کے بعد جب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے قبا میں قیام کیا تو وہیں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ فوراً ہی نومولود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے کمال شفقت سے انہیں گود میں لیا، پیار کیا۔ اپنا لعاب مبارک ان کے منہ میں ڈالا۔ اور آپ کی ذات سے برکتوں اور رحمتوں کا ایک سرچشمہ فیض جاری فرما دیا۔ آنحضرت کی زبان سے نکلی ہوئی دعا قبول ہوئی جس کا نتیجہ اس انداز سے ظاہر ہوا کہ دیکھنے والے اسے دیکھ کر حیران ہو گئے اور آج بھی ان حالات کو پڑھ کر دلوں سے حیرانی دور نہیں ہوتی۔

امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد جب یزید نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بیعت کا مطالبہ کیا تو آپ نے انکار فرما دیا۔ اور مکہ میں مقیم ہو گئے۔ لیکن عبدالملک بن مروان نے تخت نشین ہو کر گوارا نہ کیا کہ حضرت عبداللہ اس طرح عرب میں قوت اور عزت کے ساتھ رہیں۔ اور ہر شخص کے دل میں آپ کا احترام و وقار ہو۔ چنانچہ اس نے ایک بڑی فوج تیار کی جس نے حجاج کی سرکردگی میں مکہ معظمہ کا محاصرہ کر لیا۔ آپ نے قتل و خونریزی سے پرہیز کیا۔ تاکہ آپ کے ہاتھوں مکہ معظمہ کی بے حرمتی نہ ہونے پائے اس لئے اس کے تقدس و احترام میں آپ خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے لیکن حجاج جیسے ظالم کو کیا بیت اللہ کے بھی احترام و تقدس اور عظمت کو ٹھکرا دیا۔ اور بیت اللہ پر توپیں لگا دیں۔ خانہ کعبہ کی انتہائی بے حرمتی ہوئی تو حضرت عبداللہ گھبرائے اور اپنی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ان دنوں بیمار تھیں دریافت کیا "کیا حال ہے؟" فرمایا کہ "تکلیف زیادہ ہے" حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ "تکلیف تو موت کے بعد ہی ختم ہوتی ہے" تو حضرت اسماء نے برجستہ جواب دیا "کسی کی بھی وجہ سے ظالم کے آگے سر نہیں جھکانا چاہئے۔ وہ بات نہیں ماننا چاہئے جو دین و مذہب کے خلاف ہو۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔ میری خواہش ہے کہ تم جنگ کرو۔ اور حق کی اس جنگ میں کامیاب ہو تاکہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں یا تم حق کے لئے لڑتے ہوئے شہید ہو جاؤ تو میں صبر کر لوں۔"

حضرت عبداللہ کو صحیح طریق کار کی رہنمائی مل گئی تھی۔ ہنستے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور واپس ہو گئے۔ جب سارے عزیز قتل ہو چکے اور بقیہ ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا اور شہادت کی باری آئی تو دوبارہ اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ بہت زیادہ آزردہ خاطر تھیں۔ اور شدید بیماری کے باوجود مسجد میں بیٹھیں خدا کی طرف متوجہ تھیں کہ حضرت عبداللہ نے پھر جنگ اور صلح کے متعلق مشورہ کیا تو آپ نے فاروقی انداز سے جواب دیا۔ "بیٹا! ذلت آمیز صلح حق کے لئے جنگ کرنے سے بہتر نہیں ہے۔ عزت کے ساتھ حق کے لئے تلوار اٹھانا اور تلوار کھانا باطل کے ساتھ صلح کرنے سے کہیں زیادہ خدا کو محبوب ہے۔ جاؤ حق کے لئے جنگ کرتے رہو۔ یہاں تک کہ اگر شہادت کا جام تمہارے سامنے آ جائے تو ہنستے ہنستے اسے نوش جان کر لینا۔ مبارک ہے اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کا وہ بیٹا جو خدا کے پاس اس حالت میں جائے گا۔ جاؤ بیٹے جاؤ۔ خدا تمہارا رب ہے اور تم خدا کے ہو۔"

حضرت عبداللہ مقدس ماں سے پیغام عمل لے کر رخصت ہوئے تو حق کے لئے آخری فیصلہ کن جنگ کی۔ اور پھر شہادت کا مقام اعلیٰ حاصل کیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے لئے بیٹے کی یہ شہادت دنیاوی اعتبار سے ایک بڑی مصیبت تھی کسی طرح بھی قیامت کبریٰ سے کم نہ تھی۔ لیکن آپ نے صبر و تحمل اور عزم و استقلال سے برداشت کیا۔ تاریخ عالم میں اس کی نظیر بہت کم ملتی ہیں۔

شہادت کے بعد بحکم حجاج حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش سولی پر لٹکی رہی تھی کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا لخت جگر کی لاش کو دیکھنے آئیں۔ لاش اسی طرح لٹکی ہوئی تھی۔ تصور کیجئے اس وقت کیا گزر رہی ہوگی ماں کے دل پر۔ بوڑھی ماں کے سامنے بیٹے کی لاش ہے جو اپنے وقت کا مقدس ترین اور نیک سیرت انسان ہے۔ جس نے حق کا کلمہ کہنے اور ظلم کی اطاعت نہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن ستمگروں نے بیت اللہ کے اس ایک بیٹے کے ساتھ کیسا وحشیانہ سلوک روا رکھا۔

ماں بیٹے کی لاش کو دیکھ رہی ہے لیکن اسکے صبر و استقلال میں اس وقت بھی کوئی لغزش نہیں ہوئی۔ اس منظر کو دیکھ رہی تھیں۔ اسکے متعلق گریہ وزاری (باقی ملاحظہ ہو)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ عزیز کرنول

۱۳ ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ روز شنبہ

سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم

قبیلہ بنو نضیر کا جلاوطن ہونا

قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ بئر معونہ کی لڑائی سے واپسی کے موقع پر عمرو بن امیہ نے ایک درخت کے نیچے قبیلہ بنو عامر کے دو انسانوں کو ناحق قتل کر دیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سنا تو آپ نے سخت کراہت اور ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور دونوں مقتولوں کی دیت اپنے ذمہ لی۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو نضیر اور قبیلہ بنو عامر کو باہم حلیف بنا دیا تھا۔ اسی سلسلہ میں دو مقتولوں کی دیت کے لئے آپ قبیلہ بنو نضیر میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ صحابہ کرام کی جماعت تھی۔ آپ نے بنو نضیر سے ماجرا سنایا۔ اور تعاون کی خواہش کی۔ قبیلہ بنو نضیر نے آپ کی خوب مدارات کی اور کہا آپ اس مکان کے دامن میں ٹھیریے۔ ہم ابھی آپ کے لئے روپیہ جمع کرا لاتے ہیں۔ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ مطمئن بیٹھے رہیے۔

قبیلہ بنو نضیر یہودیوں کا قبیلہ تھا جو نہایت ہی غدار اور نمک حرام تھا۔ اس نے باہم منصوبہ کیا کہ یہ بہتری موقع ہاتھ آیا ہے۔ اسی وقت مکان کی دوسری جانب سے کوئی اوپر چڑھے اور بھاری پتھر اس شخص پر (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر) گرا کر اس کا خاتمہ کر دے۔ انکی موت اور ہلاکت سے ہم سب کو آرام و راحت امن اور سلامتی ملے گی۔ اس کام کے لئے عمرو بن جحاش بن کعب ملعون تیار ہوا۔ اور وہ دیوار پر چڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً وحی کے ذریعہ اپنے پیارے رسول کو خبر دیدی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام صحابہ کو وہیں چھوڑ کر تنہا وہاں سے اٹھ گئے اور مدینہ واپس چلے گئے۔ چونکہ آپ کے ساتھیوں پر اس حقیقت کا انکشاف نہیں ہوا تھا۔ اسی لئے وہ کچھ نہ سمجھے بلکہ دیر تک وہیں بیٹھے آپ کی آمد کا انتظار کرتے رہے۔ جب بہت دیر ہو گئی اور آپ واپس تشریف نہیں لائے تو سب حیران اور پریشان ہو گئے آپ کی تلاش اور جستجو میں دوڑ دھوپ کی اسی دوران میں ایک شخص مدینہ سے آیا اور اسنے بتایا کہ ابھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اطمینان اور سکون ہوا۔ پھر سب مدینہ واپس چلے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو یہودیوں کی غداری اور نمک حرامی کی حقیقت سنائی۔ اور جنگ و جدال کے لئے فوج کو تیاری کا حکم دیدیا۔

آپ نے مدینہ میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو عامل مقرر کیا۔ اور خود بنفس نفیس فوج کے ساتھ روانہ ہوئے اور قبیلہ بنو نضیر کا محاصرہ کر لیا۔ اس طرح چند دن گذر گئے لیکن محاصرہ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ یہودی مضبوط قلعوں میں پناہ گزیں تھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باغات کھجور کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا۔ جب ان ظالموں نے اپنے مالوں کی تباہی اور بربادی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگے۔ وہ چیخنے چلانے لگے۔ اے محمد! آپ تو فتنہ و فساد سے روکتے ہیں اور فتنہ بازی پر عیب جوئی و نکتہ چینی کرتے ہیں۔ مگر آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ اس کا جواب قرآن مجید میں اللہ نے دیا ہے کہ یہ ساری کارروائی محمد کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم اور اجازت سے ہو رہی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج میں بنو خزرج کے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول و مالک بن ابی قوقل، سوید اور داعس وغیرہ نے قبیلہ بنو نضیر سے خفیہ ریشہ دوانیاں شروع کیں اور کہلوا بھیجا کہ تم اپنے عزم و ارادہ پر مضبوط جمے رہو ہرگز محمد کی اطاعت قبول نہ کرو ہر حالت میں ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ اگر محمد تم سے جنگ کریں تو ہم تمہاری تائید میں محمد سے جنگ کرتے ہیں۔ اگر وہ تم کو جلاوطن کریں تو ہم بھی تمہارے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ بنو نضیر نے ان منافقین کی تائید اور نصرت کا بہت انتظار کیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کے دل و دماغ پر رعب و داب ہیبت و دہشت پیدا کر دی۔ وہ لرزہ براندام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی کہ ہم کو قتل نہ کیجئے بلکہ جلاوطنی کی اجازت دیجئے۔ اور اتنا مال و متاع ساتھ لے جانے کی اجازت دیجئے جو ہمارے اونٹ اٹھا سکتے ہیں۔ البتہ آلات حرب ہم ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ آپ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور اجازت دیدی کہ اونٹ جتنا مال اٹھا سکتے ہیں وہ ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ جائے عبرت ہے کہ جن عمارتوں پر ان لوگوں کو ناز اور فخر تھا وہ اپنے ہی ہاتھوں سے ان عمارتوں کو مسمار کر رہے تھے۔ اور ان کی چوکھٹ کی لکڑیاں تک اونٹوں کی پیٹھ پر لاد رہے تھے۔ ان میں کتنے لوگ ملک شام کو روانہ ہو گئے اور کتنے خیبر کو روانہ ہوئے۔ ان میں سے بہادر و سالار یہود سلام بن ابی الحقیق۔ کنانہ بن الربیع اور حیی بن اخطب تھے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ عورتوں بچوں اور مال و متاع کا قافلہ لے جا رہے تھے۔ اس قافلہ کے پیچھے گانے والیاں گا رہی تھیں۔ دف اور مزامیر بجا رہی تھیں۔ ان کی قیادت ایک عورت کر رہی تھی جس کا نام سلمیٰ بنت عمرو [illegible] تھا۔ یہ عورت قبیلہ بنو کنانہ سے تھی جو قبیلہ بنو نجار کی شاخ ہے۔ اس عورت نے قبیلہ مزینہ میں نکاح کیا تھا۔ جب عروہ بن الورد العبسی قبیلہ مزینہ پر حملہ کیا تو اسی عورت کو گرفتار کر لیا۔ اور اپنے تصرف ہی میں رکھا۔ پھر بنو نضیر کے یہودیوں نے اس عورت کو عروہ سے خرید لیا تھا۔ یہ عورت اپنے زمانہ کی تمام عورتوں میں سب سے زیادہ مشہور اور نخرے والی تھی۔

جب یہ قافلہ خیبر پہنچا ہے تو اہل خیبر نے ان کی خوب خاطر مدارات کی ان کی عزت اور ہمت افزائی کی۔

قبیلہ بنو نضیر نے بہت مال چھوڑا جو فئی کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا۔ آپ نے تمام مال صرف مہاجرین میں تقسیم کیا اور انصار میں صرف دو صحابہ حضرت سہل بن حنیف اور ابو دجانہ کو دیا کیونکہ یہ دونوں مفلس تھے۔ بنو نضیر میں حضرت یامین بن عمیر اور ابو سعد بن وہب مسلمان ہو گئے۔ تو ان کے مال کو انہی کے حوالے کر دیا۔

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یامین بن عمیر سے فرمایا کیا تم نے دیکھا! تیرے چچیرے بھائی عمرو بن جحاش نے مجھے کس قدر دکھ دیا اور میری ہلاکت کے لئے میری نیت کی تھی کہ چھت سے پتھر گرا کر مجھ کو شہید کر دے۔ اس پر یامین نے عمرو بن جحاش کو قتل کرنے کے لئے ایک آدمی مقرر کیا جس نے عمرو کو جہنم رسید کیا۔

(باقی آئندہ)

حج بیت اللہ کے لئے روانگی

ڈاکٹر محمد عبدالصمد ہمدانی فاضل مشیر آباد خلف اکبر الحاج مولانا مولوی ابو الخلیل محمد یٰسین صاحب [illegible] بعزم حج بیت اللہ شریف و زیارت مدینہ منورہ مورخہ ۸ فروری کو روز شنبہ ذریعہ ٹرین [illegible] سے بمبئی جائیں گے۔ آپ کی رفاقت اور معیت میں جناب عبدالرحیم صاحب عرف پاشو بھائی موٹر لاریز [illegible] سکندرآباد بھی معہ زنانہ روانہ ہو رہے ہیں۔ یہ جملہ حضرات ۱۳ فروری کو جہاز مظفری سے جدہ روانہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عبادتوں کو قبول فرمائے اور آئندہ تقویٰ و پرہیزگاری پر استقامت بخشے۔ آمین ثم آمین۔

اسلام نے دنیا کو سوشلزم سے آشنا کیا

پیغمبر اسلام کی پوری زندگی سوشلزم کا بہترین نمونہ تھی

اسلام اگرچہ ترکِ دنیا کا حامی نہیں ہے لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ مسلمان سادہ زندگی گزاریں اور ہمیشہ دنیا کی تکلفات سے اجتناب کریں۔ جناب پروفیسر وحید الزماں نے اپنے اس مقالہ میں اسلام کے اسی پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ (ادارہ)

اسلام ہی ایک واحد مذہب ہے جس نے انسان کو آخرت پر مکمل یقین رکھنے کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ اسے دنیا میں متوازن ترقی کرنے کی نہ صرف ترغیب ہی دی ہے، بلکہ متعدد سابق مذاہب کے برعکس ترکِ دنیا کو ایک عظیم گناہ قرار دیا ہے۔

اسلام نے انسان کو جائز طریقوں سے دولت کمانے، اسے جمع کرنے اور اس سے صحیح طور پر کام لینے کی اجازت ہی نہیں دی ہے، بلکہ اسے زندگی کے وظائف اور فرائض میں شامل کیا ہے۔ اس کے باوجود وہ مسلمانوں کو سادگی کی تعلیم دیتا ہے اور ہر معاملہ میں تکلفات سے گریز کرتا ہے۔ اسی طرح فقیرانہ زندگی بسر کرنا جس میں تصنع اور بناوٹ نہ ہو، اسلام کا منشاء اور مقصد ہے۔

مسلمانوں کے لئے آنحضرت صلعم کی زندگی اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہے اور نظر رکھنے والے غیر مسلم بھی بانی اسلام کی حیات طیبہ کو مثالی زندگی یقین کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تکلف اور بناوٹ سے قطعاً پاک تھی۔

ایک مغربی مفکر نے آنحضرت صلعم کی زندگی پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "بانی اسلام کو اپنے ماننے والوں ہی کے حلقے میں نہیں بلکہ پوری عرب قوم میں جو اقتدار اور اثر حاصل تھا، اس کے پیش نظر آنحضرت کے لئے یہ بات بہت ہی آسان تھی کہ وہ آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے لیکن بانی اسلام کا حال یہ تھا کہ وہ سادگی کے لئے وعظ فرمایا کرتے تھے اور ان کی دعا ہمیشہ یہی ہوتی تھی کہ انہیں تکلف اور تصنع سے محفوظ رکھا جائے۔ اور انہیں غریبوں اور مساکین کے زمرہ میں شامل کیا جائے۔ آنحضرت کی آرزو یہی ہوتی تھی کہ آپ کا رزق بھی اسی قدر ہو کہ جس سے روح اور جسم کا تعلق قائم رہ سکے۔ آپ نے کبھی اس سے زیادہ کی خواہش محسوس نہیں فرمائی۔ چنانچہ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو منقول کیا ہے کہ آنحضرت یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ "اے اللہ! آلِ محمد کی روزی کو بقدر کفاف ہی رکھ۔"

آنحضرت یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ خود اور آپ کی آل اولاد فراغت کی وہ زندگی بسر کریں جو انسان کو صراطِ مستقیم سے ہٹا سکتی ہے اور عیش و آرام اور زیبائش و زینت میں مبتلا ہو کر زندگی کے حقیقی مقصد کو نظر انداز کر دیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی کی روایت کے مطابق آنحضرت یہ دعا بھی فرمایا کرتے تھے کہ "اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ۔ مجھے مسکینی کی حالت میں موت سے ہمکنار فرما اور قیامت کے دن مجھے مسکینوں ہی کے ساتھ اٹھا۔"

اور آنحضرت کی یہ آرزو اتفاق کی بات نہیں تھی بلکہ اللہ کے اس آخری اور عظیم المرتبت پیغمبر کی پوری زندگی اسی مسکینیت اور سادگی کا مرقع نظر آتی ہے۔ چنانچہ اس تاریخی حقیقت سے انکار کی جرأت کسی شخص کو بھی نہیں کہ آنحضرت نے پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ حضور صلعم کے دسترخوان پر ایک وقت میں کبھی دو قسم کے کھانے نہیں فراہم کئے گئے اور حضور نے کبھی روغنی روٹی تناول نہیں فرمائی۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی کی اس روایت سے کہ:-

"آنحضرت اور آپ کے اہل خانہ نے جو کی روٹی بھی مسلسل دو دن تک پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ حتیٰ کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔" آنحضرت کی زندگی میں سادگی کی جو انتہا تھی، بخوبی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی ہی کی دوسری روایت یہ ہے کہ "آنحضرت اس فانی دنیا سے تشریف لے گئے۔ مگر زندگی کا کوئی ایک دن بھی گزرا نہیں جس میں حضور صلعم نے دونوں وقت پیٹ بھر کر روٹی اور زیتون کھایا ہو۔"

آنحضرت صلعم کی مقدس زندگی میں سادگی کا یہ عمل گھر کی چار دیواری ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ پوری زندگی اسی سادگی اور بے تکلفی کی آئینہ دار تھی۔ چنانچہ آپ کے حالات زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور آپ اپنے ہم عصر لوگوں کے برابر کام کیا کرتے تھے۔ تمام زندگی میں آپ کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ دوسرا کوئی آپ کے کام کرنے والا نہ ہو۔ چنانچہ ایک خندق کے موقع پر آنحضرت بھی اپنے صحابہ کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف رہے تھے۔

ایک ایسے مفکر اور عالم نے جس نے اسلام کے سماجی اور معاشی نظام کا مطالعہ اور دوسرے ایسے نظاموں سے اس کا موازنہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ موجودہ دور میں انسانی فطرت کے ساتھ اپنے تمام معاشی اور سماجی نظام میں تبدیلیوں کی طرف مائل ہے جس وقت "اسلام کی زندگی کا مطالعہ کرتا اور اسے مشعل راہ بنانا چاہے۔ دنیا کے اس عظیم پیغمبر کی زندگی میں بھی سادگی اور انسانی مساوات کی وہ اعلیٰ تر مثالیں ہیں جو آج کے کسی معاشی اور سماجی نظام میں بھی نظر نہیں آتیں۔ اسلام نے جہاں پر انسانوں کو ترقی کرنے اور دولت کمانے کی آزادی دی ہے وہیں اس مذہب کے بانی نے اپنی زندگی سے جو ہر مسلمان کے لئے قابل تقلید ہے یہ بات بھی ثابت کر دی ہے کہ اقتدار یا دولت کو انسانوں کی سماجی مساوات کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہونا چاہیے۔ اور کسی دولت مند کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ وہ قومی سرمایہ کے ایک حصہ کا محض امین ہے جس میں سے وہ محض بقدر ضرورت ہی صرف کر سکتا ہے۔"

آج دور میں سوشلزم کو انسانوں کی سماجی مساوات اور معاشی برابری کا سب سے بڑا علمبردار کہا جاتا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اب تک دنیا میں جتنے بھی غیر مذہبی سماجی نظام رائج ہو سکے ہیں سب میں سوشلزم سماجی اور معاشی مساوات کے اعتبار سے ان سب سے بہتر نظام ہے لیکن اسلام کے بانی نے اپنی مقدس زندگی سے مساوات اور معاشی برابری کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا وہ سوشلزم میں بھی عملی طور پر اس کی جزئیات کو نہیں پہنچ سکا۔ اور اگر یہ دنیا حقیقی سماجی اور معاشی مساوات قائم کرنا چاہتی ہے تو اسے آنحضرت صلعم کی زندگی کو مشعل راہ بنانا چاہیئے۔ اسلام کی پوری ابتدائی تاریخ سوشلزم اور مساوات کا ایک مثالی دور ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ خلفائے راشدین بھی دنیا کے شہنشاہ ہوتے ہوئے بھی سادگی کی زندگی گزارتے رہے۔ اس کی مثال دنیا کی کسی قوم اور مذہب کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ لہٰذا ہمیں اسلام ہی سے سوشلزم کا سبق حاصل کرنا چاہیے۔

— بقیہ —

قرآن حکیم اور افکار اقبال

پر کرنے کی صحبت سے بکر آسانی کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن برعکس سہ

یہ چند صوفی و ملا اسیری
حیات از حکمت قرآں نگیری
بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسین او آساں بمیری
(ارمغان حجاز)

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں ملت بیضا کے نوجوانوں سے متعلق فرماتے ہیں۔ "مجھے رہ رہ کر یہ رنج و تحیر ہوتا ہے کہ مسلمان طالب علم جو اپنے دین کے عمرانی، اخلاقی اور سیاسی تصورات سے نابلد ہے روحانی طور پر بمنزلہ ایک بے جان لاش کے ہے۔ اور اگر موجودہ صورت حالات اور بیس سال تک قائم رہی تو وہ اسلامی روح جو قدیم اسلامی تہذیب کے چند علمبرداروں کے فرسودہ قالب میں ابھی تک زندہ ہے ہماری جماعت کے جسم سے بالکل ہی نکل جائے گی۔ وہ لوگ جنہوں نے تعلیم کا یہ اصل الاصول قائم کیا تھا کہ ہر مسلمان بچے کی تعلیم کا آغاز کلام مجید کی تعلیم سے ہونا چاہیے وہ ہمارے مقابلہ میں ہماری قوم کی ماہیت و تربیت سے زیادہ باخبر تھے۔"

چنانچہ اسی خیال کو نظم میں کہتے ہیں:-

وائے بر دستور جمہور فرنگ
مردہ تر شد مردہ از صور فرنگ
گرچہ دارد شیوہ ہائے رنگ رنگ
من بجز عبرت نگیرم از فرنگ
اے بہ تقلیدش اسیر آزاد شو
دامن قرآں بگیر آزاد شو
(جاوید نامہ)

اقبال یہ تلقین فرماتے ہیں کہ مسلمان زمانے میں اسی صورت میں معزز ہو سکتے ہیں کہ وہ قرآن کو دستور حیات بنائیں اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر
(جواب شکوہ)

اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اگر تم ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزارنا چاہتے ہو تو یہ قرآن کے بغیر ممکن نہیں۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

یہ مسئلہ نہایت اہم ہے کہ اکثر مساجد میں اس مسئلہ پر تکرار رہتی ہے کہ کوئی وقت سے پہلے اذان دینا چاہتا ہے اور کوئی صبح صادق طلوع ہونے کے بعد کا قائل ہے۔ پھر صبح صادق اور صبح کاذب پہچاننے کی دشواری رہتی ہے۔ اس کے لئے بعض لوگوں نے معیار مقرر کیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ طلوع آفتاب سے ایک گھنٹہ پندرہ منٹ قبل صبح صادق ہوتی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک تمام وقت سات حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ پچھلا ساتواں حصہ صبح صادق ہے۔ ممکن ہے یہ قواعد استقرائی صحیح ہوں لیکن یقینی صحیح نہیں ہیں۔
اس مسئلہ کی حقیقت اور ماہیت اذان کی تعریف سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ نیل الاوطار میں ہے الاذان هو الاعلام بدخول وقت الصلوٰۃ بالفاظ مخصوصۃ۔ یعنی اذان کہتے ہیں الفاظ مخصوصہ سے اعلان دینا کہ نماز کا وقت داخل ہو چکا ہے۔ یہ اعلان اسی وقت صحیح ہوتا ہے کہ نماز کا وقت داخل ہو چکا ہو۔ وقت داخل ہونے سے پہلے اعلان دینا گویا جھوٹا اعلان دینا ہے۔ اسی لئے ابن الہمام نے بیان کیا کہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء میں وقت سے پہلے اذان دی جائے تو دوبارہ اذان لوٹائی جائے گی۔ اگر صبح کی اذان وقت سے پہلے دی جائے تو وقت ہونے پر موذن گلیوں میں اعلان دیتا پھرے الا ان العبد قد نام۔
مذکورہ بیان سے ظاہر ہے کہ صحیح مسئلہ یہی ہے کہ وقت ہونے کے بعد ہی اذان دی جائے قبل از وقت جائز نہیں۔ اس مسئلہ پر اکثر لوگوں کو شک و شبہ اور التباس ہے۔ اس کے مختلف اسباب ہیں۔
(۱) سلفاً و خلفاً تمام محدثین کرام کا مذہب ہے اور انہوں نے اپنی کتاب میں باب باندھا ہے کہ صبح صادق سے پہلے اذان دینا جائز ہے۔ چنانچہ عہد مسعود میں صبح صادق سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتے تھے اور صبح صادق میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان فرماتے تھے۔
مذکورہ حدیث بالکل صحیح ہے لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز کے لئے اذان نہیں دیتے تھے بلکہ دوسرے اغراض اور مقاصد کے لئے اذان کہتے تھے یعنی سحری کے لئے اذان دیتے اور کچھ تہجد گزاروں کو نماز ختم کرنے اور سوتوں کو جگانے کے لئے اذان فرماتے تھے۔ اس کے بعد جب نماز کا وقت داخل ہوتا تو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نماز کے لئے اذان فرماتے تھے۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وقت سے پہلے نماز کی اذان دینا حرام ہے۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو وقت اذان کا انتظام فرمایا۔ اور دوسرا موذن مقرر فرمایا۔ اگر وقت سے پہلے اذان جائز ہوتی تو حضرت بلال رضی اللہ

بابُ الحدیث

فجر کی اذان

چونکہ یہ مضمون نہایت اہم اور ضروری ہے، یکم نومبر ۱۹۶۸ء کے پرچہ "محدث" میں شائع ہو چکا ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ اس مضمون کی طباعت بہت ناقص اور خراب تھی۔ لہٰذا یہی مضمون دوبارہ شائع ہو رہا ہے۔ ناظرین کرام اس مضمون کو دو چار بار پڑھیں اور ذہن میں محفوظ رکھیں۔ جنوبی ہند میں اکثر اہلحدیث اس جہالت میں مبتلا ہیں کہ غلس کے نام سے صبح کاذب میں اذان پڑھتے ہیں اور نماز بھی صبح کاذب میں شروع کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ صبح کی نماز سے فارغ ہوں تو افق پر سیاہی اور تاریکی ہو۔ نیز ہر نمازی اپنے جلیس کو نہیں پہچاننا چاہئے۔ عقیدہ باطل اور گمراہ کن ہے۔ العیاذ باللہ (ادارہ)

عنہ کی اذان کافی تھی۔ اور حضرت ابن ام مکتوم کی اذان لغو ہوتی۔ اور نبی کی شان کے بالکل خلاف ہے۔ لغو حرکت کرنا والذین هم عن اللغو معرضون مومن لغو حرکت سے پرہیز کرتے ہیں۔
محدثین کرام نے جو باب باندھا ہے کہ صبح صادق سے پہلے اذان جائز ہے تو اس سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان مراد ہے جو نماز کے لئے نہیں تھی بلکہ دوسرے اغراض اور مقاصد کے لئے تھی۔ اور یہ باب حضرت ام مکتوم کی اذان کے لئے نہیں ہے جو نماز کے لئے ہوتی تھی۔
(۲) ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز غلس میں پڑھتے تھے۔ آپ کی قراءت طویل ہوتی تھی۔ باوجود جب سلام پھیرتے تو ہر طرف کافی اندھیرا رہتا تھا۔ اور اپنے جلیس یعنی پاس کے آدمی کو نہیں پہچانتے تھے۔ جب نماز کا یہ حال ہے تو اذان اس نماز سے قبل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں اذان وقت سے پہلے ہوتی تھی۔ — در اصل یہی ایک خیال ہے جس کی وجہ غلطی اور گمراہی پیدا ہو رہی ہے۔ اگر لوگ غور و فکر کریں تو اس میں کوئی الجھن نہیں ہے۔ اصل مسئلہ یوں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی یہ عادت تھی کہ آپ اولاً تہجد کی نماز سے فارغ ہوتے تو مسجد نبوی سے متصل ایک عورت کے مکان کی چھت پر مشرق رخ بیٹھتے اور طلوع فجر کا انتظار کرتے۔ جونہی طلوع فجر ہوتی فوراً اٹھتے ایک انگڑائی لیتے پھر اذان پکارتے پھر فوراً ہی چھت سے اتر آتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ پر آ جاتے پھر بیٹھے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار فرماتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر سوتے تو جاگ اٹھتے وضو کرتے اور حجرے سے برآمد ہوتے۔ سیدھا مصلے پر پہنچتے اور نماز شروع کر دیتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا صحیح اندازہ یہی تھا کہ آپ کی اذان اور اقامت کے درمیان صرف دو رکعت کا وقفہ ہوتا تھا۔ یعنی تین یا چار منٹ اور بس۔ اگر آج بھی کوئی اس انداز کی پیروی کرے تو یقیناً اس کی نماز بالکل صحیح طور سے ہو سکتی ہے۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ہماری مسجدوں میں اذان اور اقامت کے درمیان کم از کم پندرہ منٹ اور زیادہ سے زیادہ تیس منٹ کا وقفہ ہوتا ہے۔ اتنی تاخیر کے بعد نماز شروع کی جاتی ہے تو اس کو غلس کہاں نصیب ہوتا ہے؟ غلس کا سارا وقت تو اسی وقفہ میں ختم ہو جاتا ہے۔ اور اسفار کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ پھر جو نماز اسفار میں شروع کی گئی ہو وہ غلس میں کیسے ادا ہوگی؟ یا للعجب۔
یہی خرابی باعث فساد ہوتی جاتی ہے۔ گویا ان تمام لوگوں کا خیال ہے کہ تا ختم نماز غلس ہی ہو جانا چاہئے۔ اس سے قبل بیس منٹ پیشاب پاخانہ وضو اور غسل کے لئے وقفہ بھی چاہئے اور اس وقفہ سے قبل اذان ہونا چاہئے۔ تو یہ اذان وقت سے بہت قبل ہوگی۔ یہ شرعی اذان نہیں ہے بلکہ لوگوں کے حسب تخیل منتخب ہے۔ ایسی ہی اذان کو اخبار اہلحدیث امرتسر میں اُلو کی پکار بتایا گیا ہے۔ غیر شرعی ایسی اذان باطل ہے۔ اس باطل اذان پر جو جماعت مرتب ہوگی وہ ناقص ہے اور جو نماز وقت سے پہلے شروع کی جائے گی وہ نماز بھی باطل ہے۔
غرض یہ دعویٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ختم ہوتی تو اندھیرا رہتا تھا اور لوگ اپنے ساتھی کو نہیں پہچان سکتے تھے۔ بالکل غلط خیال ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ختم ہوتی تھی جبکہ ہر طرف اجالا پھیل جاتا تھا۔ اور ہر شخص اپنے ساتھی کو پہچان لیتا تھا۔ (مشکوٰۃ باب تعجیل الصلوٰۃ بحوالہ متفق علیہ)
حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ مرحوم نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صبح کی نماز غلس میں شروع ہوتی تھی اور اسفار میں ختم ہوتی تھی۔
مذکورہ بالا بحث کے ضمن میں یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ جن مساجد اور جماعتوں میں لمبی قراءۃ ہوتی ہے ان لوگوں کے لئے غلس کے مسائل مناسب ہیں کہ وہ اپنی قراءت اس قدر طویل کریں کہ وہ اسفار میں داخل ہو جائیں۔ اگرچہ مسئلی اسفار میں نماز پڑھنے والے بھی وہ جماعت میں شریک ہو سکیں۔ اور جن مساجد کے ائمہ تھوڑی تھوڑی قراءت کرنے والے ہیں ان لوگوں کے لئے غلس کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ حسب اسفار ہی میں نماز پڑھیں۔ کیونکہ غلس کی نماز فعلی احادیث سے ثابت ہے اور اسفار کی حدیث اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر یعنی اجالا پھیلنے کے بعد فجر کی نماز پڑھو۔ اس میں تم کو بہت بڑا اجر ملے گا۔ قولی ہے۔ اصول حدیث کا مسلمہ قانون ہے کہ قولی حدیث فعلی حدیث کی سردار اور حاکم ہوتی ہے۔ غرض یہ مسئلہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ دخول وقت سے ایک منٹ پہلے بھی اذان دینا ناجائز ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جب مسجد نبوی میں دو اذانیں ہوتی تھیں تو اس کے درمیان اتنا قلیل وقفہ ہوتا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان پکار کر اترتے اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان پکارنے چڑھتے۔ بس اتنا تھوڑا وقفہ تھا جس کا اندازہ ایک یا دو منٹ ہے۔ نیل الاوطار میں ہے ان بلالا و ابن ام مکتوم کانا یقصدان وقتا واحدا فیخطئه بلال ویصیبه ابن ام مکتوم یعنی دونوں موذنوں کا ایک ہی وقت تھا لیکن حضرت بلال خطا کر جاتے تھے اور ابن ام مکتوم درستگی پا لیتے تھے۔ اگر دخول وقت سے ایک منٹ پہلے اذان جائز ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کی اذان پر اکتفا کرتے اور حضرت ابن ام مکتوم کو دوسری اذان کی زحمت نہ دیتے۔
صبح صادق اور صبح کاذب کا فرق نہ پہچاننے والے لوگ جو نظریہ قائم کئے ہوئے ہیں یہ قانون کلی نہیں ہے اس کے لئے مشق اور تجربہ کی ضرورت ہے جو ہمیشہ افق دیکھتے رہتے ہیں ان کو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے اور یہی لوگ ان مسائل میں معتمد ہوتے ہیں اور جن لوگوں نے کبھی افق پر نظر نہیں ڈالی وہ یقیناً صبح صادق اور کاذب میں ہرگز فرق نہیں جان سکتے بلکہ دھوکہ کھاتے ہیں۔
جب کسی صورت سے فرق معلوم نہ ہو سکے یعنی افق کا جاننے والا نہ ہو یا مطلع ابر آلود ہو تو بہت مناسب ہے کہ اذان پانچ دس منٹ کی تاخیر کر دے کیونکہ اذان میں تقدیم از وقت سے تاخیر از وقت بہتر ہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام

حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام

آپ کی بابت اعتراض کرنے والے معترضین آیات ذیل سے استدلال کرتے ہیں: (الف) وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ (ب) وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ (ج) فَتَابَ عَلَيْهِ (د) فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ: (الف) آپ کا عاصی اور گنہگار ہونا، آیت (ب) سے آپ کا ظالم ہونا اور آیت (ج) سے آپ کا تائب ہونا اور آیت (د) سے شیطان کے بہکانے پر لغزش کرنا ثابت ہوا ہے۔ ان اعتراضات کا جواب ملاحظہ کیجئے۔

بے شک ظاہر الفاظ سے یہی امور ثابت ہوتے ہیں۔ مگر خود قرآن مجید نے فیصلہ دے دیا ہے کہ یہ سب آدم علیہ السلام کی اجتہادی غلطی کا نتیجہ تھا جو خلاف مرضی الٰہی تھا جو محض شیطان کو اپنا خیرخواہ تصور کرنے اور اس کی رائے کو اپنے حق میں مفید سمجھنے سے واقع ہوا۔

حاشا وکلا کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آدم علیہ السلام کو مخالفت کا علم یا خیال تھا اور انہوں نے جان بوجھ کر [illegible] شجر ممنوعہ کے کھانے پر اقدام کیا ہو۔ کیونکہ [illegible] ایسی حالت میں کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ آیات ذیل سے یہ جواب مستنبط ہوتا ہے کہ: قَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ۝ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ۝ فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ۔ ان آیات سے صاف [illegible] ہے کہ آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو شیطان کی طرف سے دھوکا دیا گیا۔ یعنی شیطان نے انہیں [illegible] ہونا اور جنت میں ہمیشہ رہنے کا یقین دلایا۔ مزید برآں قسم کھا کر [illegible] تمہارے حق میں [illegible] صلاح [illegible] ہوگا۔ اس وقت آدم علیہ السلام کے لئے بہتر تھا کہ آپ ابلیس کے [illegible] آپ اللہ کے [illegible] آپ سے [illegible] قید کا [illegible] شیطان کے [illegible] مشورہ [illegible] جو تو آپ نے [illegible] عمل [illegible] اس لئے [illegible]۔ قال اللہ تعالیٰ ولقد عهدنا الى آدم من قبل فنسي ولم نجد له عزما۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام کو ارتکاب فعل کے وقت اللہ کا عہد یاد نہیں تھا۔ نیز آپ کا یہ فعل ارتکاب جرم کی نیت سے نہیں تھا۔ کیونکہ آیت میں عزم کی نفی کر دی گئی ہے۔ جس فعل میں علم اور نیت ثابت نہیں وہ ہرگز تعریف جرم میں داخل نہیں ہو سکتا۔ البتہ بظاہر جرم کی صورت ثابت ہے۔ اس لئے اس پر عصیان، غوایت اور ظلم وغیرہ الفاظ کا اطلاق کیا گیا۔ پس درحقیقت آدم علیہ السلام کو مواخذہ ہوا۔ وہ کسی حقیقی جرم پر نہیں تھا بلکہ اس غلطی اور غفلت کی پاداش میں تھا جو آپ سے ابلیس کے حق میں حسن ظن قائم کر لینے پر صادر ہوئی۔ حالانکہ ابلیس شیطان کے دشمن ہونے کا علم پہلے سے تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام

آپ کے متعلق معترضین نے اعتراض کیا کہ نوح علیہ السلام نے طوفان کے وقت اپنے بیٹے کو بچا لینے کی استدعا اللہ سے کی تھی۔ اس پر آپ کو عتاب ہوا۔ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ۔ یعنی غیر معلوم باتوں کا سوال مت کر ورنہ جاہل ہو جاؤ گے۔

مذکورہ اعتراض کا جواب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اہل بیت کو بچانے کا وعدہ تھا۔ آپ نے ظاہری رشتہ کو مد نظر رکھ کر بیٹے کو اپنے اہل میں داخل سمجھا۔ یہ ایک اجتہادی غلطی تھی جس پر آپ کو تنبیہ کی گئی۔ انه ليس من أهلك یعنی یہ تیرے اہل میں داخل نہیں۔ چونکہ مقام نبوت بہت ہی بلند ہے اس لئے ایسی اجتہادی غلطی کوئی سرسری بات نہیں تھی اس لئے الفاظ مذکورہ بالا میں ڈانٹ ہوئی۔ چنانچہ اسی وقت آپ نے رجوع کیا، توبہ کی اور رضائے الٰہی کو اپنا مقصد و مرام قرار دیا۔ [illegible]

حضرت ابراہیم علیہ السلام

آپ کے متعلق مختلف اعتراضات کئے جاتے ہیں۔

(الف) آپ نے ستاروں میں غور کر کے اپنے بیمار ہونے کا استدلال کیا۔ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے اس فعل سے ہرگز ستارہ پرستی ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم کائنات میں تمام اشیاء کے لئے خواص پیدا کئے ہیں۔ جن سے خاص خاص نتائج کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ مثلاً قمر کے طلوع و غروب اور مد و جزر [illegible] سے مختلف [illegible] کے وجود پر استدلال کرنا اہل علم کا مشہور مسئلہ ہے۔ آفتاب کا مختلف اشیاء جمادی، نباتی، حیوانی میں موثر ہونا ایک ایسا بین اور بدیہی امر ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں اگر آپ نے اوضاع نجوم سے اپنی بیماری کا استدلال کیا تو اس میں کیا قباحت ہے؟ جہاں سیاروں کے مختلف اشیاء پر آثار مختلف کا مشاہدہ ایک یقینی امر ہے تو ان میں سے بعض سیاروں کے کسی خاص وضع میں ہونے سے آثار بیماری کے وجود کا کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ ابر، برق، رعد وغیرہ سے بعض کھیتوں یا پھلوں وغیرہ پر آثار مخالف یا موافق مترتب ہوتے ہیں آخر یہی تو کوئی [illegible] وجہ ربط قائم کرنی پڑتی ہے۔ یہی صورت متنازعہ فیہ کو کیوں قابل اعتراض سمجھا گیا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض سیارات کے اوضاع مخصوصہ کا نتیجہ بیماری یا صحت ہو سکتی ہے اور اس میں عقلاً یا شرعاً کوئی اعتراض نہیں۔

البتہ شریعت اسلامی نے اوضاع نجوم سے آثار کو استدلال کرنے سے روکا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ صابی فرقہ کے لوگ ستارہ پرست تھے جو نجوم کو فاعل اور [illegible] مستقل قرار دیتے تھے۔ یہ عین شرک ہے۔ اگر کسی سیارہ کی کسی خاص وضع کے متعلق کسی خاص اثر کو اس طرح تسلیم کیا جائے جس طرح نباتی اشیاء میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے خواص قائم کئے ہیں۔ جس سے ہم روز مرہ مستفید ہوتے ہیں تو اس میں کیا خرابی لازم آتی ہے؟ بلکہ اس سے حکیم مطلق کی حکمت بالغہ پر استدلال انسان کو معرفت بخش دیتا ہے۔ کوئی سمجھدار یہ تسلیم نہیں کرے گا کہ اس قدر بے شمار سیاروں کا پیدا کرنا محض عبث ہے جبکہ یہ مسلم ہے کہ سلسلہ کائنات کی کوئی چیز بھی عبث نہیں۔ ربنا ما خلقت هذا باطلا۔ معترض اگر اندھی تقلید کو ترک کر کے غور کرتا تو ہرگز اس کے دل میں اس قسم کا کوئی خیال پیدا نہ ہوتا۔

(ب) آپ نے بت خانے کے پجاریوں کی غیر حاضری میں بتوں کو توڑ ڈالا اور جب ان لوگوں نے دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا۔ بل فعله كبيرهم هذا۔ یعنی بڑے بت نے انہیں توڑ ڈالا ہوگا یہ جھوٹ تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جھوٹ نہیں بلکہ آپ نے اس سے استدلال توجیہ کی طرف کیا۔ تاکہ اس سے مخالفین پر ایک قسم کا الزام قائم ہو جائے اور وہ بت پرستی کو غلط سمجھ کر دین حق کی طرف رجوع کریں جو کہ وہ لوگ بتوں کو فاعل خیر و شر سمجھتے تھے۔ جب انہیں ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک جماد بے حس و حرکت جو اپنی ذات کے خیر و شر کا مالک نہیں ہو سکتا وہ کسی غیر کے لئے کب مفید اور مضر ہو سکتا ہے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ انہیں خالق الخیر والشر کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملتا۔ گویا ابراہیم علیہ السلام نے الفاظ مذکورہ توبیخ اور سرزنش کرنے کی بجائے انہیں عملی طور پر سمجھا دیا کہ یہ بیکار بت جب خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تو تمہارے لئے کیا مفید ہوں گے۔ اور درحقیقت اس جواب سے بہتر اور کوئی جواب ممکن نہیں تھا۔ سو یہ کسی طرح بھی جھوٹ کی تعریف میں نہیں آتا کیونکہ جھوٹ خواہش نفسانی کا نتیجہ ہے جس میں بالواسطہ یا بلا واسطہ کسی کا اضرار مخفی ہوتا ہے۔

(ج) آپ نے اپنی بیوی کی نسبت ایک ظالم کے سوال پر کہ یہ کون ہے فرمایا۔ یہ میری بہن ہے اور یہ جھوٹ تھا۔

یہ جواب بالکل صحیح ہے اور یہ کسی قسم کا جھوٹ نہیں۔ عربی زبان میں ایسے کلام کو معاریض الکلام بولتے ہیں۔ یعنی متکلم ایسا کلام کرے جو دو مختلف معانی کا احتمال رکھے۔ جن میں ایک تو قریب الفہم ہو اور دوسرا غور طلب دقیق۔ عربی میں ایسے کلام کو توریہ کہتے ہیں۔ اس قسم کا کلام باتفاق علماء ہرگز جھوٹ میں داخل نہیں بلکہ یہ کسی شخص کی بلاغت اور ذہانت کا نتیجہ ہے۔ اور بعض مواقع پر ایسا کلام نہایت مفید ثابت ہوتا ہے۔ اسی اصل کی رو سے ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بیوی کو یہ میری بہن ہے کہنا ہرگز جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ دین حقہ نے میرے اور اس عورت کے درمیان بہن بھائی کا رشتہ قائم کر دیا ہے چنانچہ اسی خیال پر مسلمانوں کو انما المؤمنون اخوۃ کی تعلیم دی گئی ہے۔ حالانکہ کوئی حقیقی اخوت [illegible] نہیں ہوتی۔ ایک حدیث ہے لا يخطب احدكم على خطبة اخيه یعنی جب تمہارا بھائی کسی عورت سے نکاح کا پیغام دے تو دوسرے کو اس عورت سے نکاح کرنے کے لئے پیغام نہیں دینا چاہئے۔ جیسا کہ عام لوگوں میں دیکھا جاتا ہے کہ حسد و عداوت کر کے ایک شخص کسی دوسرے کی منگنی کو توڑ کرا دیتا ہے اور یہ سخت گناہ ہے۔ اس حدیث میں بھی بھائی کا لفظ محض دینی لحاظ سے کہا گیا ہے۔

ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت سارہ آپ کی بیوی اور آپ کا خاندان ایک ہی تھا۔ اور خاندان کے مردوں اور عورتوں کو عام طور پر بہن بھائی کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال قرآن مجید میں آیت کریمہ والی مدین اخاھم شعیبا میں موجود ہے۔ کیونکہ شعیب علیہ السلام کو محض ان لوگوں کے ہم قوم ہونے کی وجہ سے ان کا بھائی کہا گیا۔ حالانکہ آپ ان کے حقیقی بھائی نہ تھے۔

(نوٹ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تین جھوٹ کہنا قطعی اور بالکل صحیح ہے۔ مذکورہ بالا مضمون میں ابراہیم علیہ السلام کا تین جھوٹ کہنا قطعی اور بالکل صحیح ہے۔ مذکورہ بالا مضمون میں ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ صرف جہالت سعی لاحاصل اور تطویل بلاطائل ہے۔

(۵) آپ نے پہلے ستارہ کو پھر چاند کو پھر سورج کو معاذ اللہ علیحدہ علیحدہ ہر ایک کو اپنا رب قرار دیا۔ اور یہ شرک ہے۔

اس کا جواب ہے کہ معترض نے قرآن مجید کے طرز استدلال کو نہیں سمجھا اور ظاہر ترکیب سے اصل مدعا اخذ نہیں کر سکا۔ کیونکہ یہ بالکل غلط بلکہ سخت اتہام ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اجرام سماویہ کو اپنا معبود سمجھا اور پھر رجوع کیا۔ کیونکہ اس واقعہ سے پہلے اللہ تعالیٰ آپ کی نسبت فرماتا ہے ولقد آتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاحب ہدایت ہو چکے تھے۔ پھر کیونکر ان کے مشرک ہونے کا خیال پیدا ہو سکتا ہے اور اگر بالفرض ایسا ہو تو آپ کے رجوع کرنے سے پہلے اللہ کی طرف سے ضرور کوئی عتاب نازل ہوتا حالانکہ انبیاء علیہم السلام کو صغائر پر بھی جو سہواً ہو جائیں عتاب ہوتا ہے۔ اور شرک تو ظلم عظیم ہے۔ پھر وہ بھی ایک جلیل القدر اولو العزم رسول سے۔ بلکہ برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان یوں ارشاد فرمایا تلک حجتنا آتیناھا ابراھیم علی قومہ نرفع درجات من نشاء۔ جس سے ایک صحیح العقل کا آدمی بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ آپ کا ستارہ اور چاند اور سورج کو علیحدہ علیحدہ رب کہنا بطور تسلیم کرنا پھر علیحدہ علیحدہ ہر ایک کے لئے نفی ربوبیت کرنا ایک نہایت ہی لطیف استدلال ہے جس سے مخالفین کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور ان پر الزام قائم کرنا مقصود ہے کیونکہ وہ لوگ نجوم پرستی کے مرض میں مبتلا تھے پس ہوشیار کر دیا کہ جنہیں معبود تسلیم کرتے ہو ان کی ربوبیت کی وجہ بھی باطل کر دی گئی لا احب الآفلین۔ یعنے ایسے معبودوں کی حالت میں تغیر اور زوال آتا رہتا ہے بھلا کیونکر معبود قرار پا سکتے ہیں۔ اور یہ طریق استدلال بعینہ اسی قسم کا ہے جو مذکورہ بالا سطور میں بتوں کے توڑ ڈالنے پر الزام کی غرض سے مشرکین کے سامنے پیش کیا تھا۔

(۶) آپ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ الٰہی! میں مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم ہماری قدرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ آپ نے عرض کیا بے شک میرا ایمان ہے کہ تو اپنی قدرت کاملہ سے مردوں کو زندہ کر سکتا ہے مگر میں اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس واقعہ سے معترضین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو احیاء موتیٰ میں شک تھا۔ نعوذ باللہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے رفع شک کے لئے جناب باری تعالیٰ سے ایسا سوال کیا تھا۔ حضرت ابراہیم خوب جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک مخلوق کو عدم سے وجود میں لاتا ہے جیسے بادشاہ ملک کے وجود کا یقین ہر شخص کو ہوتا ہے مگر اسے آنکھوں سے دیکھنے کا شوق ہر ایک کے دل میں از حد ہوتا ہے۔ کیا کسی شخص کو افغانستان یا عہد کے ہندوستان میں آنے سے پیشتر اس کے وجود میں شک تھا؟ مگر جب وہ اس میں ادھر ادھر گھومتا پھرا تو تماشائیوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ یہ محض فطرت انسانی کی ذاتیت ہے کوئی عیب نہیں ہے اس کے نزدیک ابراہیم خلیل اللہ کا مذکورہ بالا سوال بھی ایک معمولی سوال تھا جو پورا کر دیا گیا۔ اسی الزام کو ایک صحیح حدیث میں یوں کہا نحن احق بالشک من ابراھیم رضی اللہ عنہ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انبیاء کرام کے لئے قدرت الٰہی میں شک کرنا ممکن ہوتا تو ہم ابراہیم سے زیادہ شک کرنے کے مستحق تھے مگر ہم مشاہدہ کیفیت احیاء اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کامل ایمان رکھتے ہیں تو ابراہیم کیسے شک کر سکتے ہیں۔ یعنے آپ کا سوال کرنا رفع شک کے واسطے نہیں تھا۔

(۷) آپ کے متعلق یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ آپ نے اپنے باپ کے لئے جو کافر تھا جناب الٰہی میں مغفرت کی دعا کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارہ میں اللہ کی طرف سے آپ کو کوئی ممانعت نہیں ہوئی تھی اور آپ باپ کی ہدایت کی امید کے لئے استغفار کرتے رہے اور جب معلوم ہو گیا تو آپ نے استغفار کو ترک کر دیا کیونکہ ایمان لانے کی امید منقطع ہو گئی جیسا کہ خود قرآن مجید میں بالفاظ فلما تبین لہ انہ عسہ

عسہ عدو للہ تبرأ منہ۔ آپ کی برأت کو واضح کیا ہے۔

(باقی آئندہ)

علماء دیوبند سے سوال

کرنال میں بنا ہے کہ استفتاء مولوی حبیب اللہ ہیں جنہوں نے مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم اور دستار حاصل کی ہے موصوف نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جناب عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے۔

ہم خوب جانتے ہیں کہ دیوبند ارباب علم کے فتوے بہت ہیں اس لئے بیان کے سننے سے ہماری غیرت کی اجازت نہیں کہ یہ بھی تصدیق کر سکتے ہیں۔ الغرض ارباب علم دیوبند سے گزارش ہے کہ کیا حقیقت میں یہ دونوں بزرگ چالیس سال تک ایسی عبادت کئے ہیں تو اس کا کسی معتبر اور مستند کتاب سے ثبوت دیجئے اگر اس کا ثبوت نہیں ہے تو آپ ایسے ذریعہ اس ظلم و تعدی سے توبہ کیجئے اور آئندہ ایسے بہتان نہ باندھیں۔

ہماری تحقیق میں ان دونوں بزرگوں پر یہ محض بہتان سازی ہے۔ یہ بزرگ ارباب علم تھے۔ اور خوب جانتے تھے کہ ایسی عبادت کرنا الاسلام نہیں ہے تو وہ کیوں عبادت کرتے۔

فرمان الٰہی ہے۔ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا۔ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ سب کی امانت اور حقوق ادا کرو۔ جو لوگ صبح و شام اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور حقداروں کے حقوق پامال اور غارت کرتے ہیں یہی رہبانیت ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام سے خارج کر دیا لا رھبانیۃ فی الاسلام۔

اگرچہ فرشتے بہت عبادت کرتے ہیں لیکن انہیں وہ رتبہ نہیں ملا کیونکہ حقداروں کے حقوق ان کے ذمہ نہیں ہیں۔ انہی حقوق کی ذمہ داری پر انسان کو فضیلت بزرگی شرافت اور کرامت حاصل ہوئی۔ اسی بنا پر رسول اللہ نے ہر اس شخص کی شان میں جو حقوق زوجیت ادا نہیں کرتے تھے سخت الفاظ استعمال فرمایا اور ان کو اسلام سے خارج کر دیا۔ جیسے کہ تین صحابہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت دریافت کی۔ پس تینوں نے آپ کے ذکر اللہ ...

تہجد خوانی فقہاء کو ... ہو گئے۔ ایک نے کہا میں ہمیشہ مجرد رہوں گا کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا کبھی افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں ساری رات عبادت کروں گا ہرگز نہیں سوؤں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے ان تینوں کو نصیحت کی اور فرمایا میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور رات میں سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں۔ جو شخص میری سنت سے انحراف کرے گا وہ میری زمرہ جماعت بلکہ اسلام سے خارج ہے۔

اے علماء دیوبند! حدیث مذکورہ کی روشنی میں بتاؤ اگر ان دونوں بزرگوں نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے تو کیا وہ مسلمان رہ سکتے ہیں۔ یہی غضب ہے جس کی تفضیل کرتے ہو۔ انہی کو اسلام سے خارج بھی کرتے ہو۔ یا للعجب و لضیعۃ الادب۔

مذکورہ بالا صحابی کے بیان میں ایک ہی وضو سے ساری رات عبادت کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ جب ضرورت رفع کی پیشاب پاخانہ سے فارغ ہوتے رہیں گے اور تجدید وضو کرتے رہیں گے۔ اس پر بھی رسول اللہ نے انہیں خارج از اسلام کی دھمکی دی تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ساری رات ایک ہی وضو سے عبادت کرتے رہے۔ اور فطری تقاضے پیشاب پاخانہ وغیرہ روک کر صبح کی نماز پڑھتے رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پیشاب پاخانہ کو روک کر نماز پڑھتا ہے وہ گنہگار ہے۔ مکروہ ہے۔ اے دیوبندیو! ان بزرگوں کی شان میں کیا فیصلہ کرتے ہو؟

اگر گویم زبان سوزد

ایک عابد ساری رات عبادت کیا تو اس نے بیوی کے حقوق پامال کئے اپنے بدن اور آنکھ کا حق غارت کیا۔ غرض دوسروں کے حقوق پامال کر کے اللہ کی عبادت کرنا اسلام میں ظلم ہے اور ظالم کے لئے تباہی ہے۔

العیاذ باللہ

ناقابل اشاعت
مضامین
واپس نہیں کئے جاتے

قرآن حکیم اور افکار اقبال

از:- ابوالفدا محمد عبدالقادر

یا ایہا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔

(سورہ حجرات آیت ۱۳)

اے لوگو ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

ڈاکٹر شمس کے نام اپنے خط میں علامہ اقبال نے لکھا کہ "اسلام ہمیشہ رنگ و نسل کے عقیدہ کا جو انسانیت کے نصب العین کی راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں ہے۔ نہایت کامیاب حریف رہا ہے۔ جس کا یہ غلط خیال ہے کہ اسلام سائنس کا دشمن ہے۔ حقیقت میں نہ صرف اسلام کا بلکہ تمام انسانیت کا سب سے بڑا دشمن رنگ و نسل کا عقیدہ ہے۔ جو لوگ بنی نوع انسان سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ ابلیس کی اس اختراع کے خلاف جہاد بلند کریں۔"

(اقبال نامہ صفحہ ۔۔)

اسلام نے رنگ و نسل کے فرق کو نماز میں عملی طور پر بالکل مٹا دیا ہے

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

(بانگ درا)

اقبال نے شاہ محمد سلطان مراد کا ذکر کیا ہے۔ جس نے ایک معمار کا ہاتھ اس لئے کاٹ دیا تھا کہ اس کی تعمیر کردہ مسجد بادشاہ کو پسند نہ آئی تھی۔ معمار نے قاضی کے ہاں اپنا مقدمہ اس بنا پر دائر کیا کہ

خواجہ رنگین نوا ز معمار نیست
قرآن کا قانون بادشاہ سے کوئی رعایت نہیں کرتا۔

ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب (سورہ بقرہ آیت ۱۷۹)

"اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو۔"

قاضی کا حکم ہوتا ہے کہ ہاتھ کے بدلے ہاتھ کاٹ دیا جائے

یافت موری بر سلیمان نے ظفر
سطوت آئین پیغمبر نگر
پیش قرآن بندہ و مولا یکے است
بوریا و مسند دیبا یکے است

لیکن خود معمار نے بادشاہ کا قصور معاف کر دیا۔

اقبال قرآنی تعلیمات کی روشنی میں نوع انسانی کو عالمگیر برادری کی دعوت دیتے ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں سال نو کا پیغام نشر کرتے ہوئے علامہ مرحوم نے کہا تھا

کے احترام کی مثال پیش کی اور فرمایا کہ

"وحدت صرف ایک ہی معتبر ہے اور وہ ایک قوم رکھنے کے باوجود محض اقتصادی مسائل کے اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں۔ اور اپنے ہاتھوں اپنے تمدن کا تمام و نشان مٹا رہے ہیں۔ اس ایک واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ قومی وحدت بھی ہرگز قائم و دائم نہیں۔ وحدت صرف ایک ہی معتبر ہے۔ اور وہ وحدت رنگ نسل اور زبان سے بالاتر ہے۔ جب تک اس نام نہاد جمہوریت اس ناپاک قوم پرستی اور اس ذلیل ملوکیت کی لعنتوں کو مٹایا نہ جائے گا۔ جب تک انسان اپنے عمل کے اعتبار سے الخلق عیال اللہ کے اصول کا قائل نہ ہو جائے گا۔ جب تک جغرافیائی وطن پرستی رنگ و نسل کے امتیازات کو نہ مٹایا جائے گا اس وقت تک انسان اس دنیا میں فلاح و سعادت کی زندگی بسر نہ کر سکے گا۔ اور اخوت حریت اور مساوات کے شاندار الفاظ شرمندہ معنی نہ ہوں گے۔" (حرف اقبال صفحہ ۔۔)

اقبال توحید باری تعالیٰ کو وحدت انسانی کی اساس قرار دیتے ہیں۔ ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ

"انسان کی تاریخ پر نظر ڈالو ایک لامتناہی سلسلہ ہے باہم آویزیوں کا۔ خونریزیوں کا اور خانہ جنگیوں کا۔ کیا ان حالات میں عالم بشری میں ایک ایسی ملت قائم ہو سکتی ہے جس کی اجتماعی زندگی امن و سلامتی پر موسس ہو۔ قرآن کا جواب ہے کہ ہاں ہو سکتی ہے بشرطیکہ توحید الٰہی کو انسانی فکر و عمل میں حسب منشائے الٰہی متصور کرنا انسان کا نصب العین قرار پائے۔ ایسے نصب العین کی کاوش اور اس کا قیام سیاسی تدبیر کا کرشمہ نہ سمجھئے۔ بلکہ یہ رحمۃ للعالمین ایک شان ہے کہ اقوام بشری کو ان کے تمام خود ساختہ تفوقوں اور تفضیلوں سے پاک کر کے ایک ایسی امت کی تخلیق کی جائے جس کو امۃ مسلمۃ لک کہہ سکیں۔ اور اسی کے فکر و عمل پر شہداء علی الناس کا خدائی ارشاد صادق آئے۔" (حرف اقبال صفحہ ۲۵۹-۲۶۰)

اقبال نے اپنے خطبہ اسلامی ثقافت کی روح "میں وحدت انسانی کی وضاحت کے لئے قرآن کی اس آیت کا حوالہ دیا ہے هو الذی خلقکم من نفس واحدۃ "وہ جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔"

اور نوع انسانی کو ایک جسم ہی قرار دیا ہے جس کا ذکر شیخ سعدی نے بھی ان الفاظ میں کیا ہے

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

اقبال کہتے ہیں کہ:-

"ہم نے تمہیں النفس واحدہ سے پیدا کیا۔ یہ ہے قرآن مجید کا ارشاد۔ مگر یہ امر کہ زندگی کا اور آگے بطور ایک وحدت نامیہ کے ہو جائے کچھ دیری کے بعد ہوتا ہے۔ یوں بھی اس تصور کا نشوونما اس امر پر موقوف ہے کہ اقوام و احوال عالم کی اصل رو میں داخل ہو جائیں۔ اسلامی فتوحات کی رفتار چونکہ بڑی تیز تھی اس لئے مسلمانوں کو یہ موقع جلد ہی میسر آ گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں اسلام سے بہت پہلے عیسائیت نے بھی انسان کو مساوات کا سبق دیا۔ لیکن یہ امر کہ نوع انسانی ایک جسم نامی ہے۔ مسیحی روما کے سمجھ میں بھی نہیں آیا۔ فلنٹ کہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات کسی عیسائی یا دولت روما کے حق میں بالخصوص کہی جا سکتی ہے۔ یہ کہ اس کے ذہن میں وحدت انسانی کا ایک مجرد تصور موجود تھا۔ مگر پھر رومی عہد سے لے کر اب تک بھی تو صورت حالات کچھ ایسی ہے کہ یہ تصور یورپ کے دل و دماغ میں جاگزیں نہیں ہو سکا۔ برعکس اس کے وطنی قومیت کے نشوونما سے جس کا سارا زور نام نہاد قومی خصائص پر ہے وسیع انسانیت کا جو عنصر مغربی ادب اور فن میں کام کر رہا تھا برابر دبتا رہا ہے لیکن اس سے کس قدر مختلف ہے۔ عالم اسلام کی تاریخ یہاں وحدت انسانی کا خیال نہ تو محض کوئی فلسفیانہ تصور تھا نہ شاعرانہ خواب بلکہ روزمرہ زندگی کا ایک زندہ اور تمام عنصر جو چپکے چپکے اور غیر محسوس طریق پر اپنا کام کرتا رہا۔" (تشکیل جدید الٰہیات صفحہ ۲۱۴-۲۱۵)

ہر قوم کی نجات و بقا کے لئے ایسا لائحہ عمل ضروری ہے جس پر عمل پیرا ہو کر وہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو فروغ دے سکے یہ لائحہ عمل قرآن حکیم ہے۔ جس کی تعلیم زندگی کے ہر شعبہ اور پہلو پر حاوی ہے اس کی حکمت لایزال اور قدیم ہے

آن کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم
نسخہ اسرار تکوین حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

قرآن کریم نے ان تمام امتیازات کو منسوخ قرار دیا جو وحدت انسانی کو پارہ پارہ کر دینے والی ہیں

داستان کہنہ شستی باب باب
فکر را روشن کن از ام الکتاب
چیست قرآن خواجہ را پیغام مرگ
دستگیر بندۂ بے ساز و برگ
ہیچ خیر از مرد زر کش مجو
لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا
جز بقرآن ضیغمی روباہی است
فقر قرآن اصل شاہنشاہی است

(جاوید نامہ)

اقبال کہتے ہیں کہ قرآن کتاب نہیں چیزے دیگر است

نقش حق را ہم بہ امر حق شکن
بر زجاج دیگراں سنگ زن

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

(جاوید نامہ)

اسی ابدی حقیقت کی وجہ سے قرآن مجید نے دعویٰ کیا کہ اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ ذالک الکتاب لاریب "یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں۔"

(سورہ بقرہ آیت ۲)

لا تبدیل لکلمٰت اللہ۔ "اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔"

(سورہ یونس آیت ۶۴)

علامہ اقبال نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے

حرف او را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

(رموز بیخودی)

قرآن حکیم سے نصیحت حاصل کرنے والوں کا نقشہ دنیا کے سامنے یہ ہے اونٹ چرانے والے قیصر و کسریٰ کو شکست دینے والے ہو گئے اور رہزن راہبر بن گئے

حق تعالیٰ پیکرے تراشید و شمشیر کرد
ساربان را راکب تقدیر کرد

(پس چہ باید کرد)

رہزنان از حفظ او رہبر شدند
از کتابے صاحب دفتر شدند

(رموز بیخودی)

اقبال کو شکایت ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم قرآن کریم سے نصیحت حاصل کرتے اور اس سے زندگی کے ہر ایک شعبہ کو منور و روشن کرتے ہم نے اس کو مسجد و خانقاہ تک محدود کر دیا اور زیادہ اس کی تلاوت سے کام لیا گیا۔ (باقی صفحہ ۔۔)

تعارف تصوف و طریقت وغیرہ

(چھٹی قسط)

حضرت عبدالقادر جیلانی اس وقت کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟

خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ نیک بندوں کی ارواح کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور جسد کو قبر میں قیامت تک سلا دیتا ہے۔

فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ

(آیت ۴۲ ع ۵۔ سورہ زمر)

پھر اللہ جن پر موت کا حکم فرما چکا ان کی ارواح کو اپنے پاس روک لیتا ہے۔

وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (آیت ۱۰۰ ع ۶ مومنون)

اور ان مرنے والوں کے پیچھے ایک پردہ (قبر) ہے اس دن قیامت کے دن تک جبکہ وہ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔

حدیث:- (عن ابو ہریرہؓ) قبر میں نیک بندوں کی گفتگو منکر و نکیر (فرشتوں) سے جب ختم ہو جاتی ہے تو قبریں ستر ستر گز طول و عرض میں کشادہ اور روشن کر دی جاتی ہیں۔ اور فرشتے ان نیک بندوں کو کہتے ہیں نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ۔ آرام کی نیند لے... دلہا کی طرح سو جا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اٹھائے گا قبر سے بروز قیامت اٹھائیگا۔

(مشکوٰۃ۔ ترجمہ المصابیح جلد ۱ ص ۲۸-۳۰ (المصابیح ... حدیث ۱۲۲))

وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ۔

(آیت ۷ ع ۱ سورہ حج)

اور اللہ تعالیٰ قبر کے مردوں کو دوبارہ اٹھائیگا

سننے اور دیکھنے کے لئے زندگی کا ہونا ضروری ہے۔ موت کی حالت میں جسم سے روح کا تدبیری تعلق یکسر منقطع ہو جاتا ہے

توجہ کی حالت:-

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ

(آیت ۲۱ ع ۲ سورہ نحل)

مُردے ہیں جن میں زندگی نہیں ہو پاتی۔

وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ

(آیت ۲۲ ع ۳ سورہ فاطر)

اور اے محمدؐ! آپ سنا نہیں سکتے قبروں میں پڑے ہوؤں کو۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ۔

(آیت ۸۰ ع ۶ سورہ نمل)

بے شک اے محمدؐ! آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو۔

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ۔

(آیت ۵۲ ع ۵ سورہ روم)

سوائے محمدؐ! آپ واقعی سنا نہیں سکتے مردوں کو۔

مقتولین بدر کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخاطبت معجزہ تھا یا حضورؐ کا مخصوص [illegible] تھی۔

شہداء کو آسمانوں میں پرندوں کی صورت میں ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں امت کا درود و سلام فرشتے پیش کرتے ہیں تو حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کو غوث الاعظم دستگیر (دستگیر = ہاتھ پکڑنے والے۔ اعظم = بڑا اور غوث = فریاد رس۔ سب فریاد سننے والوں کے اوپر فریاد سننے والے) کس دلیل کی بنا پر مانا جاتا ہے۔ جبکہ قرآن و حدیث تصوفی عقیدہ کی تائید ہی نہیں ہے بلکہ اس عقیدہ کا رد کرتا ہے۔

خود حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے فرمودات

غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تصنیفات ہیں۔ آپ کے مواعظ حسنہ ۶۲ میں "الفتح الربانی" ترجمہ "فیوض یزدانی" ہیں۔ غنیۃ الطالبین کے ترجمہ موسومہ "تحفۂ دستگیر" میں ص ۱۱ میں ہے کہ

"اپنے مولا کے دروازہ سے نہ ہٹو کسی سے کوئی امید نہ رکھو جو کچھ مانگو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر اعتماد نہ کرو۔ توحید کو لازم پکڑو۔"

فتوح الغیب کے آخر میں مذکورہ ارشادات اپنے فرزند اکبر حضرت شیخ سیف الدین عبدالوہاب کو بطور وصیت فرمائے ہیں۔

تحفۂ دستگیر کے ص ۱۱ میں ہے کہ "شرک خفی خلقت پر بھروسہ کرنا ہے اور ان سے نفع و نقصان کی امید رکھنا۔ پس سلف صالحین کے مذہب پر چلنا لازم پکڑو۔"

يا طالب الأشياء من غيره ما أنت عاقل هل شيء هو ليس في خزائن الله۔

اے خدا کے سوا غیروں سے اشیاء کے طالب کیا تجھے عقل نہیں ہے کہ کوئی چیز ایسی بھی ہے جو اللہ کے خزانے میں نہیں ہے؟

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ حسنہ ترجمہ موسومہ "فیوض یزدانی" میں ہے ص ۲۳ "ساری حاجتیں اللہ کے سامنے پیش کر یعنی رکھ کر کوئی حضرت بچانے والا نہیں اور کوئی نفع دینے والا نہیں سوائے اللہ کے۔

ص ۳۵ تمام حالتوں میں حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا لازم سمجھ۔

ص ۱۱ اپنی تمام ضروریات میں کفایت خداوند ہی حاصل کر۔

ص ۱۵ سب کچھ اللہ سے مانگ نہ کہ کسی دوسرے سے۔ اپنی جیسی مخلوق کے سامنے ذلیل مت ہو۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ (آیت ۱۹۴ ع ۲۴ سورۂ اعراف)

جن (لوگوں) کو تم (مدد اور حاجت روائی کے لئے) پکارتے ہو اللہ کے سوا کے تو وہ بھی تو (محتاج) بندے ہیں تم جیسے (ان لوگوں کو حاجت روائی کے لئے کس نے مقرر کیا ہے؟)

ص ۵۸ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی کا ارادہ و اختیار مت سمجھ۔

ص ۵۹ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع و نقصان پہنچانے والا نہیں ہے۔

ص ۶۲ مخلوق کی طرف سے پیٹھ پھیر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کر اس سے۔ تجھے کبھی فلاح نہ ہوگی جب تک نفع نقصان کے متعلق مخلوق کو دیکھنا چھوڑے گا نہیں۔

ص ۶۵ ان لوگوں کا کیا بنا جو بجز حق تعالیٰ کے کچھ سمجھتے نہیں۔ اس کے غیر کی سنتے نہیں۔ اور اس کے سوا کسی کو دیکھتے نہیں۔

ص ۶۶ جب تک تیرے قلب میں اللہ کے سوا کوئی اور بھی ہوگا اس کو ہرگز فلاح نصیب نہ ہوگی تو اگر اللہ کے غیر (.....) کی طرف متوجہ ہوگا تو وہ تجھ کو کچھ بھی نفع نہ دے گا۔

کیا تجھے شرم نہیں آتی زبان سے تو کہتا ہے کہ میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اور تیرے قلب میں غیر اللہ (.....) موجود ہے

ص ۸۲ بندہ مومن خدا کے سوا کسی سے توقع نہیں رکھتا (چنانچہ ارشاد الٰہی) وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ الْمُسْتَعَانُ (آیت ۱۱۲ ع ۷ سورہ انبیاء)

اور (سچے مسلمان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ) رب ہمارا رحمن ہے اسی سے ہم مدد مانگتے ہیں۔

(اور زبان سے بھی وہ یہ اقرار کرتا ہے کہ) وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اور اے اللہ! ہم صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں نہ کسی اور سے)

ص ۸۳ اے مخلوق (.....) کا ذکر خدا بنا کر ان پر بھروسہ [illegible] والے اخلاق بھی [illegible] نفع [illegible] نقصان [illegible] صرف خدا ہی کا ہے۔

ص ۱۳ اگر تجھے دنیا [illegible] کا اعتبار حاصل ہو جاوے [illegible] قیامت اول سے آخر تک تم سب کا بوجھ [illegible] اٹھا [illegible] مگر تجھے کوئی اختیار نہیں ہے۔

(عبدالقادر جیلانیؒ کے یہ خود [illegible] جانتے ہیں۔ کہنے والے کان کھول کر عبدالقادر جیلانیؒ کی یہ عبارت خط کشیدہ سنیں۔)

ص ۹۳ اپنی تمام حاجتیں حق تعالیٰ ہی سے مانگو اپنی مخلوق (.....) سے مت مانگو۔

ص ۹۵ نفع، نقصان، اور منع، عطا کے تعلق سے مخلوق (.....) سے مت مانگو۔

ص ۹۶ نفع، نقصان اور منع و عطا کے تعلق سے مخلوق (.....) پر نگاہ مت ڈال

ص ۱۲۳ ہر وہ چیز کہ جس پر تو اعتماد کرتا ہے تیرا معبود ہے۔

ص ۱۲۴ تیرا کام [illegible] دعا (مدد) مانگنا ہے اور قبول کرنا اللہ کا کام ہے۔

ص ۱۲۵ جو شخص نفع، نقصان کو غیر اللہ (.....) کی طرف سے سمجھے وہ اللہ کا بندہ نہیں بلکہ وہ اس (.....) کا بندہ ہے جس کی طرف سے اس کو نفع و نقصان کی توقع ہے۔

ص ۱۲۶ خدا تعالیٰ کے سوا دوسروں سے کسی شے کا خواستگار رہنا چھوڑ دے۔

یہ ہیں چند نصائح حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے۔

ص ۱۲۱ تا ۱۲۲ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے مذکورہ عقائد رکھنے والوں پر جو عتاب فرمایا ہے "تحفۂ دستگیر" کے ص ۱۲۱، ۱۲۲ پر ملاحظہ کیجئے۔

مناسب ہے کہ اہل بدعت کے ساتھ میل جول نہ کیا جائے۔ اور نہ ان کو سلام کیجئے۔ کیونکہ ہمارے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ (اس جملہ سے حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کا حنبلی ہونا اور مقلد ہونا پایا جاتا ہے) جو شخص اہل بدعت کو سلام کرتا ہے تو گویا وہ ان سے دوستی رکھتا ہے۔ بدعتیوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ اور نہ ہی ان کے قریب جاؤ اور اگر یہ لوگ مر جائیں تو ان پر جنازہ کی نماز نہ پڑھو۔ قرآن مجید میں ہے:-

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ۔

لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش چاہیں مشرکوں (یعنی غیر اللہ ..... کو کارساز سمجھنے والوں کی) اور اگرچہ وہ قرابت والے ہوں۔

(باقی صفحہ [illegible] پر)

بقیہ :- مدارس عربیہ

علماء کی نظاریں ہوتی ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں جھنڈے اور لہراتے ہیں۔ اور وہ قومی لہجہ کے ترانے گاتے رہتے ہیں۔ جب وہ مالدار کسی پر جھپٹتا ہے تو چلوپوشی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ اور تہنیت خیرمقدم پیش کیا جاتا ہے۔ اگر یہ جلتا تو انہیں نوٹ کی سلامی دی جاتی۔ پھر اخبار وں میں جو آتا جلسہ کامیاب رہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روپیہ بٹورنے کے لئے ہم نے فلاں رئیس کو صدر بنایا تھا۔ لہٰذا ہم کامیاب رہے کہ اس نے دس روپے کا چیک دیا۔ اور اس کی رئیس پر حاضرین بھی خوب چندہ دیا کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔

ناظرین کرام مطلع رہیں۔ جب ایسی مجلس میں کسی عالم اور طالب علم کو عبادت کرتے دیکھو تو یقین کرلو کہ وہ رئیس بے جا ہے جو علماء کی کرسی پر بیٹھا ہے۔ وہ دین کا دشمن اور علم کا رہزن ہے اور یہ مدرسہ دینی نہیں بلکہ دھوکہ بازوں کا اڈہ ہے جو روپیہ بٹورنے لگا ہے۔ مسلمانوں کو ضروری ہے ایسے مدرسہ میں اپنا بچہ تعلیم کے لئے نہ چھوڑیں اور نہ کچھ چندہ دیں بلکہ جلد از جلد اس مدرسہ کو بند کرنے کی کوشش کریں۔ اور نہ مزید مدارس کھلنے دیں اس لئے جو غریب طلباء کی اولاد بے سروسامان ہیں یہ لوگ کھولیں گے۔

اور امراء کے دروازے پر چندہ حاصل کرنے جائیں گے۔ کوئی عالم اس مسئلہ کو حل کرنے کو غریب پر مدرسہ کا افتتاح کرنا یا مسجد کو تعمیر کرنا کس نے فرض کیا ہے؟ اللہ تو پاک ہے وہ تکلیف مالا یطاق نہیں دیتا۔ رسول اللہ بھی فرما رہے ہیں یہ کام فرض نہیں کئے۔ تو اور حکومت بھی ان کو مجبور نہیں کی تو انہی مدارس کی فکر کیوں دامنگیر ہوئی؟ ان کو تو اپنی روٹی کمانا ہوی بچوں کو پالنا سب سے زیادہ فرض ہے لیکن یہ تو آسان ہیں مفت کی حرام روٹی پر مرتے ہیں۔ یہ لٹیرے ڈاکو ہیں مسجد اور مدرسہ کے نام پر لوٹتے اور ڈاکہ ڈالتے پھرتے ہیں۔ یہ کیا اسلام کی خدمت کریں گے۔ جو خود بے نمازی ہیں۔ ساری زندگی میں کبھی ایک روزہ نہیں رکھا۔

اللہ رحم کرے ان غلط روشوں پر جس نے اپنی تاریخ کے مقدس صفحات مدارس کا زیادہ ہونا علم کے زوال کی مثال ہے آج ہندوستان میں عربی مدارس کا کوئی صحیح اندازہ نہیں ہے ممکن ہے ہزار بارہ سو ہوں تو ضرور ہم نے پانچ سے زیادہ افسوس ہے یہ تباہیت ...

اچھے مدرسے نہیں ہیں اگر سکتے ہیں حضرت دوران کو لوٹنے کے مدارس ہیں۔ لہٰذا قوم کا اولین فرض ہے کہ ان مدارس کو جلد از جلد بند کردیں۔

قوم کو نصیحت لینا چاہئے کہ چندہ کے مدارس میں علماء ہرگز تیار نہیں ہوتے اور نہ آج تک کوئی عالم ان چندہ کی مدارس میں کامیاب ہوا ہے۔ الا ماشاء اللہ البتہ ذاتی مدارس میں علماء تیار ہوتے ہیں۔ آج تک جتنے اولوالعزم اور کامیاب علماء پیدا ہوئے وہ سب ذاتی مدارس میں تیار ہوئے۔

بنا بریں ارباب دولت و ثروت خود ذاتی مدرسہ کھولیں۔ اس کی باربرداری قبول کریں اور چندہ کی لعنت ... کو ... کرلیں۔ (باقی آئندہ)

الجماعة بعد الجماعة

مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے دارالافتاء سے مسئلہ پوچھا گیا تھا اس کا جواب دارالافتاء نے کیا دیا اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ ناظرین کرام غور سے مطالعہ کریں۔

سوال :- مسجد میں نماز با جماعت ہو چکی ہے۔ اس کے بعد چند احباب جمع ہوتے ہیں کیا یہ لوگ دوسری جماعت کر کے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اگر پڑھ سکتے ہیں تو کس جگہ پڑھنا چاہئے؟

م - اے مکی الدین

جواب :- اگر وہ محلہ کی مسجد ہے امام مؤذن مقرر ہے تو اس میں دوسری جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ مسجد کے اطراف و قریب میں کوئی مدرسہ یا چھوٹی ہوئی جگہ ہو تو وہاں جماعت ثانیہ کر لیں۔ (اس جواب پر تین علماء سید احمد علی۔ محمود اور نظام الدین کی دستخط نیز دارالافتاء کی مہر ثبت ہے)

یہ جواب قابل نظر ہے کیونکہ جواب قرآن حدیث اور فقہ سے نہیں دیا گیا بلکہ مفتی نے صرف اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ یہ شرعی جواب نہیں ہو سکتا۔

اور جواب میں دوسری جماعت کو مکروہ تحریمی بتایا گیا ہے۔ اصول فقہ میں مکروہ تحریمی کو واجب کا قسیم بتایا ہے یعنی مکروہ تحریمی کہتے ہیں جس کی حرمت دلیل ظنی سے ثابت ہو۔ کم از کم مفتی اگر دلیل ظنی ہی بیان کرتے تو فتویٰ میں بہت زیادہ قوت پیدا ہو جاتی

بہت افسوس ہے کہ آپ نے دلیل ظنی بیان نہیں کی۔ دراصل اسلام میں اس مسئلہ پر کوئی دلیل ظنی نہیں ہے۔ ورنہ آپ ضرور بیان کرتے۔ آپ نے مکروہ تحریمی کا لفظ دیا اور خوش فہمی میں لکھ دیا ہے جو مہمل اور لغو ہے۔

گویا مفتی کی نظر میں قرآن و حدیث نے اس مسئلہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے حالانکہ یہ مسئلہ عام اور روز مرہ کا معمول بہ ہے۔ اگر ایسے عام مسئلہ پر قرآن و حدیث روشنی نہ ڈالیں تو پھر مذہب اسلام کو کامل مذہب کہنا ہی جھوٹ ہے۔ جناب مفتی صاحب! اسلام نے ضرورت سے زیادہ اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ کیا خوب تھا کہ آپ غور فرماتے۔ سورہ نساء پارہ پانچ میں اللہ نے فرمایا۔ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ الخ

اے رسول! جب تم صحابہ میں نماز قائم کرو تو صحابہ کی ایک جماعت آپ کے پیچھے نماز پڑھے۔ اپنے آلات حرب کو ہاتھوں میں رکھے جب وہ نماز سے فارغ ہو جائے تو دشمن کے مقابل ہو جائے۔ اور دوسری جماعت جو نماز نہیں پڑھی ہے وہ آپ کے پیچھے آئے اور باجماعت نماز پڑھے۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بیان کیا ہے کہ جماعت کے بعد جماعت کی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی میدان حرب میں مختلف صورتوں میں نماز پڑھائی۔ لیکن ہر صورت میں جماعت بعد الجماعۃ کی۔ لہٰذا قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ ایک ہی جگہ دوبار جماعت کرنا جائز اور بلا کراہت ہے۔

بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے یہ حکم میدان جنگ کے ساتھ خاص ہے لہٰذا عام مساجد میں یہ صورت جائز نہیں۔ یہ اعتراض لغو ہے کیونکہ عام قرآن مجید کا شان نزول خاص ہے۔ لیکن حکم عام ہے۔ اسی بنا پر جنگ کے وقت میں یہ آیت اتری لیکن اس کا حکم عام ہے جب تک اس کی تخصیص شرعی نہ کی جائے یعنی قرآن خود گواہی دے کہ یہ حکم صرف جنگ کے ساتھ خاص ہے اور دوسرے مواقع پر نہیں جس طرح قرآن مجید کی عادت ہے جب وہ کوئی خاص حکم بیان کرتا ہے تو مبہم اور تورّیہ نہیں بلکہ صریح الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ یہ حکم خاص ہے۔ عام نہیں مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ حکم دیا کہ کوئی بیوی اپنا نفس رسول اللہ کے لئے ہبہ کرے اور رسول بھی اس کو چاہے تو عورت رسول اللہ کے لئے حلال ہے۔ نکاح کی ضرورت نہیں۔ ساتھ ہی فرمایا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یہ حکم خاص آپ کے لئے ہے دوسرے مومنین کے لئے نہیں۔ اسی طرح حج کے ساتھ عمرہ کو شامل کر دیا گیا اور تمتع کی اجازت دی گئی تو اہل مکہ کی تخصیص کردی۔ فرمایا۔ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی تمتع کی اجازت خاص ان لوگوں کے لئے ہے جو دور دراز سے سفر کر کے آتے ہیں لیکن اہل مکہ کے لئے یہ اجازت نہیں ہے۔ چونکہ قرآن مجید جماعت بعد الجماعۃ کو جنگ و جدال کے لئے خاص نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ حکم عام ہے۔ مسجد ہو یا محلہ، میدان حرب ہو یا میدان اقامت، ہر حالت اور ہر مکان میں جماعت کے بعد جماعت کرنا جائز ہے۔

نیز جو لوگ مذکورہ بالا اعتراض کرتے ہیں وہ نہایت سخت علمی غلطی کرتے ہیں کیونکہ حنفی مذہب کا اصول ہے کہ خبر احاد اور قیاس سے قرآن مجید کی عمومیت کو قید کرنا حرام ہے تو غور کیجئے یہ لوگ خود اپنے خیال اور رائے سے قرآن مجید کی عمومیت کو قید کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سب سے زیادہ حرام اور یہ تو بلا تحریف فی القرآن ہے۔ العیاذ باللہ۔

علاوہ ازیں قرآن مجید کی عمومیت کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا کہ حسب ضرورت دو جماعت فرماتے تھے نیز حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں رونق افروز تھے کہ ایک شخص آیا اور نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا تم میں سے کون ہے جو اس کے ساتھ شریک نماز ہو۔ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور شریک نماز ہو گئے۔ اسی طرح جماعت بعد الجماعت ادا کی گئی۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں جماعت کے بعد جماعت کرنا بالکل درست ہے۔ چاہے مسجد ہو یا مکان فقط۔

جواب طلب امور کیلئے ٹکٹ ٹپہ بھیجئے

بقیہ: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کا مظاہرہ کیا، لوگوں نے یہ بھی سنا یہاں تک کہ اس کی
ماں کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی بھی نہیں تھی۔
غیر معمولی بے مثال! بے نظیر صبر و ہمت سے
کام لیا اور اس طرح کہ دنیا کے سارے
بزرگ ازمائش اور پیشتر بیٹا اس وقت کا
ماحول کے اعتبار سے صبر و تحمل کا جو بلند
سے بلند تر معیار قائم کر سکتے ہیں۔ اسے تصور میں
لائیے، لیکن آپ کو صبر و برداشت کے اس
بلند ترین مرتبہ کے مقابلے میں ہیچ نظر آئے گی۔ جب
حضرت اسماءؓ کے بیٹے تاریخی بیٹے اور اس
وقت کا اپنے کا بیٹا گرا اور آپ کے دل کا جو حال ہوگا
آپ پھانسی پر لٹکی ہوئی بیٹے کی لاش کو دیکھ
کر فرماتی ہیں:۔
"کیا میرے اس شہسوار کے
گھوڑے سے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا؟
بیٹے! انسان اسی لئے پیدا ہوتا اور زندہ
رہتا ہے۔ حق کی حمایت میں شہادت پانا
انسان کی سب سے بڑی فضیلت ہے!"
حضرت اسماءؓ کے ان الفاظ پر
اگر آپ غور کریں گے تو قرون اولیٰ کے
مسلمانوں کی پوری زندگی کا صحیح عکس آپ
کو نظر آ جائے گا۔
بات یہیں ختم ہو جاتی۔ ہماری تمنا ہے
حضرت اسماءؓ کے کچھ اور جملے بھی محفوظ
رکھے ہیں۔ بیٹے کی لاش پر حضرت اسماءؓ
کے آنے کی اطلاع فوراً ہی حجاج کو کی گئی۔ جس
وقت وہ دربار میں بیٹھا تھا۔ دربار پوری
شان کے ساتھ سجا ہوا تھا۔ اس نے حکومت
اور کامیابی کی نشہ میں یہ سوچنے کی بھی زحمت
نہیں کی ماں اپنے شہید بیٹے کو دیکھ رہی ہے۔
تو اس کے دل پر کیا قیامت گزر رہی ہوگی۔
بلکہ اس نے شقاوت قلبی سے کام لیا۔ اور
حضرت اسماءؓ کو دربار میں بلانے کے لئے
حکم بھیجا۔ حضرت اسماءؓ نے سنا تو حقارت
سے انکار کر دیا۔ حجاج نے پھر قاصد روانہ
کیا کہ انہیں جا کر کہے: "ابھی تو خیریت ہے
آ جائیں ورنہ اب تیسری بار جو قاصد آئے گا
وہ چوٹی پکڑ کر گھسیٹتا ہوا دربار میں لائے گا"
حضرت اسماءؓ نے یہ پیغام سنا تو آپ
کے قلب پر کوئی ہیبت طاری نہیں ہوئی کہ
اس میں خدا کی کبریائی کے سوا اور کچھ نہیں
تھی۔ حجاج کے غضب و ظلم کی اس عادت
کو انہیں سب اور زیادہ [illegible] حق کی حمایت
و اعانت کرنے والے ایک لاکھ بیس ہزار
مسلمانوں کو بیگناہ مقتول سر قلم
کئے تھے بلکہ حضرت اسماءؓ نے نہایت استقلال
تمکنت و وقار سے جواب دیا: "دشمن خدا
جا، جسے کہنا ہے نہیں آؤں گی۔ ہم صرف خدا
کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔"
حجاج خود حضرت اسماءؓ کی خدمت میں
آیا۔ اور آپ کا دل دکھانے کے لئے کہا: "کہیئے
آپ نے دیکھا کہ دشمن خدا کے ساتھ میں نے کیسا
اچھا سلوک کیا ہے؟"
سرکش حجاج کی اس چھیڑ کے جواب
میں حضرت اسماءؓ نے جو کچھ کہا، اسے سنئے
اگر دل میں خدا کی عظمت و کبریائی کا ذرا سا
بھی تصور ہے تو اس راز کو سمجھنے کی کوشش
کیجئے۔ فرماتی ہیں:۔
"ایک بہترین انسان کے ساتھ ایک
بدترین ظالم نے بدترین سلوک کیا ہے۔ تو نے
اس کی دنیا خراب کی ہے لیکن اپنی عاقبت
خراب کر لی۔ میں نے سنا ہے کہ تو عبداللہ
کو "ذات النطاقین" کا بیٹا کہتا ہے۔ خدا
کی قسم "ذات النطاقین" میں ہوں اور
مجھے اس پر فخر ہے۔ اور ہونا بھی چاہیے
لیکن تجھے اسلام کا کیا پتہ تو نے دین کی کوئی
بھی خدمت نہیں کی۔ تجھے کیا خبر کہ میں کون
ہوں اور کیوں مجھے لوگ "ذات النطاقین"
کے نام سے جانتے ہیں؟ اور مجھے اس نام
سے پکارنے میں اپنی خوشی اور میری عزت
محسوس کرتے ہیں ... اور پھر آپ نے
اسے ہجرت نبوی کا وہ واقعہ سنایا جو اوپر
گزر چکا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔
"تو میری بات بھی سن سکتا ہے۔
جبکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
سنا تھا کہ ... تیرے قبیلہ ثقیف میں ایک
کذاب اور ایک ظالم پیدا ہوگا۔ چنانچہ
کذاب کو دیکھ چکی اور ظالم ... وہ تو ہے!"
حجاج ایسی کھری اور سچی باتیں سن کر
کچھ بھی نہ بول سکا اور اٹھ کر غصے سے
چلا گیا۔
ظالموں کے انتقام کی آگ ابھی ٹھنڈی
نہیں ہوئی تھی۔ شہادت کے چند روز بعد
حجاج کے نام عبدالملک کا حکم آیا کہ لاش
سولی سے اتروا کر یہودیوں کے قبرستان
میں پھنکوا دی جائے۔ چنانچہ بدبخت حجاج
نے ایسا ہی کیا۔ حضرت اسماءؓ کو اطلاع
ہوئی تو آپ نے آنے والی ہر مصیبت
کو سہہ کر عبدالملک اور حجاج کی مرضی کے
خلاف لاش منگوائی۔ جسم کا یہ حال تھا کہ
ایک ایک ہڈی ایک ایک جوڑ تلواروں
نیزوں اور تیروں کے زخموں سے چور چور
تھا۔ حضرت اسماءؓ وہاں موجود تھیں۔
یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن کوئی جملہ
[illegible] خدا ہی جانے کیسے
[illegible]
برابر سنتے رہے۔
* اللہ کی رحمتیں شہید جسم کے
انہیں پارہ پارہ ٹکڑوں پر نازل ہوتی ہیں۔
ایک بار حضرت اسماءؓ کی حجاج
سے ملاقات ہوئی۔ تو اس نے پھر آپ کو
دکھ دینے کے لئے کہا: "آپ کے بیٹے نے
خدا کے گھر میں خدا کی نافرمانی کی تھی تو
خدا نے اس کی جان بڑی ہی دردناک
طریقہ سے لی۔"
حضرت اسماءؓ فوراً بول اٹھیں
"تو جھوٹ بولتا ہے۔ وہ نافرمان نہیں تھا
وہ خدا کا تابع احکام اسلام [illegible]
شب بیدار اور بہت ہی پارسا تھا۔
لعنت ہو تجھ پر۔"
حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ
عنہ کی شہادت کے بعد آپ کی حالت بہت
خراب ہو گئی تھی۔ اس لئے ابھی اس شہادت
کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ آپ نے
سو سال کی عمر میں اس دار فانی کو خیر باد
کہا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و
عن کل الصحابة اجمعین۔

بقیہ

تعارف تصوف، طریقت وغیرہ

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:
"اہل بدعت (........) دور رہو اور
ان سے دشمنی رکھو اور یہ دشمنی خدا تعالیٰ
کے واسطے ہو اور اس اعتقاد سے ہو کہ اہل
بدعت کا مذہب مجرم ہے اور ان کی دشمنی
میں ہم کو بڑا ثواب اور بہت اجر ملیگا۔
حدیث:۔ اگر کوئی اللہ کے واسطے
اہل بدعت کو اپنا دشمن سمجھے اور ان کو دشمنی
کی نظر سے دیکھے تو خداوند کریم اس کے دل
کو امن و ایمان سے بھر دیگا۔ اور اگر کوئی
شخص اہل بدعت کو خدا کا دشمن جان کر
ان کو ملامت کرے تو خداوند کریم قیامت
کے دن اسکو امن و ایمان میں رکھے گا۔ اور
جو شخص اہل بدعت کو ذلیل و خوار رکھے
تو اللہ جل شانہ اس کو جنت کے سو
درجے بخشے گا۔ اور جو آدمی بدعتی سے
کشادہ پیشانی سے پیش آئے تو سمجھو وہ
شخص ہو تو گویا اس نے قرآن مجید کی حقارت
کی جو اللہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
پر نازل فرمائی ہے۔
حدیث:۔ (عن ابن عباسؓ) اللہ تعالیٰ اہل بدعت کے
اعمال جیسے نماز، روزہ اور دیگر عبادات
قبول نہیں کرتا جب تک وہ بدعت سے باز نہ آئے۔
حدیث:۔ (عن فضیل بن عیاضؒ)
اگر کوئی آدمی اہل بدعت کے ساتھ دوستی کرے
تو اس کے نیک عملوں کو خداوند تعالیٰ ضائع
کر دیتا ہے۔ اور اس کے دل سے ایمان
کا نور نکال لیتا ہے۔ اور جس وقت اللہ
تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے کہ اہل بدعت سے دشمنی
رکھتا ہے تو اللہ جل شانہ اس کو بخش دیتا
ہے۔ اگرچہ اس کے عمل تھوڑے ہی ہوں۔
اور جب تم کسی بدعتی کو راستے میں آتا
ہوا دیکھو تو اس راستہ کو چھوڑ دے اور
دوسرے راستے سے ہو کر چلا جا۔
فضیل بن عیاضؒ نے کہا کہ سفیان
بن عیینہؒ کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ
اگر کوئی شخص کسی بدعتی کے جنازہ کے پیچھے
جائے تو جب تک وہ واپس نہ آئے خدا کا
غضب اس پر نازل ہوتا ہے۔ اور تحقیق
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعتی پر
لعنت کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جو آدمی
دین میں کوئی نئی بات پیدا کرے یا بدعتی کو
اپنے ہاں پناہ دے اس پر خدا تعالیٰ اور
اس کے سب فرشتوں اور سب آدمیوں کی
لعنت نازل ہوتی ہے۔ اور اس کی کوئی
عبادت قبول نہیں کرتا۔ [illegible]
مسلمان اپنی نماز میں بھی دعا کرتے ہیں)
اور اہل بدعت کی شناخت یہ ہے کہ وہ
اہل حدیث کی تحقیر کرتا ہے کیونکہ اسے
اہل سنت سے تعصب اور دشمنی ہے اور اہل
سنت کا نام اہل حدیث ہے۔ بدعتی بھی اپنے
لئے اہل سنت کا لقب رکھ لیتے ہیں مگر وہ
ان کے نام سے ہرگز نہیں تھے۔
(نوٹ:۔ اس کتاب کا صفحہ
(۱۲۵، ۱۲۳) بھی قابل مطالعہ ہے۔
نیز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی
یہ ارشاد ہے۔ **حدیث:۔**
**کُلُّ عَمَلٍ لَیْسَ اَمْرُنَا
فَھُوَ رَدٌّ۔**
(بخاری، مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ)
جو کام جس پر ہماری جانب سے
کوئی حکم نہ ہو وہ مردود ہے۔

تصوف اور صوفی کی وجہ تسمیہ؟

THEOSOFHIA (تھیوصوفیا) یونانی
لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں علم الٰہیات۔
SOPHIST (صوفسط) یونانی لفظ
ہے۔ اس کے معنی ہیں عارف، جوگی، رشی
اور صوفی۔ حکماء یونان میں افلاطون۔
سقراط۔ اور فلاطینوس صوفی کے نام
سے مشہور ہوئے۔
THEOSOPHY (تھیوصوفی)
THEOLOGY (تھیولوجی)
کے معنی بھی انگلش ڈکشنری میں علم
الٰہیات یا معرفت ہے۔
لفظ تصوف یا لفظ صوفی قرآن
اور حدیث اور فقہ کی کسی کتاب میں اور
عربی زبان کی کسی لغت میں نہیں ہے۔
غالباً تھیوصوفیا یا تھیوصوفی کو ہیر پھیر
کرکے لفظ تصوف ایجاد ہوا ہے۔
ہندو فلسفہ میں مراقبہ کو [illegible]
مراقبہ کو ذریعہ معرفت گیان اور

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

شہنشاہ ایران کے دورہ ہند کا اختتام

مشترکہ اعلامیہ کا اجراء

نئی دہلی:۔ ہز امپیریل مجسٹی شہنشاہ آریہ مہر ایران اور وزیر اعظم ہند نے فیصلہ کیا ہے کہ تجارتی، تکنیکی اور اقتصادی اشتراک و تعاون کے لئے دونوں ملکوں کے درمیان ایک مشترکہ کمیشن قائم کیا جائے جو اشتراک و تعاون کی توسیع کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے اور باہمی تجارت کو فروغ دینے کا کام انجام دے۔ اس امر کا انکشاف شہنشاہ ایران کے دورہ ہند کے اختتام پر جاری کردہ ایک مشترکہ اعلامیہ میں کیا گیا ہے۔

مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ فریقین نے ان دو ممالک کے درمیان تکنیکی و اقتصادی اشتراک کی افادیت کو تسلیم کیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اس سلسلے میں باہمی اشتراک و تعاون کو فروغ دیا جائے۔

وزیر اعظم ہند نے ہز امپیریل مجسٹی شہنشاہ ایران سے ہندوستان کی ان کوششوں کی وضاحت کی جو اس نے پاکستان سے بہتر ہمسایوں کے تعلقات قائم کرنے کے لئے کی ہیں۔ اور ہندوستان کے اس عزم کی بھی وضاحت کی وہ ان دونوں ممالک کے درمیان تمام مسائل کو ان معاہدہ شملہ کی بنیاد پر حل کرنا چاہتا ہے۔

ہز امپیریل مجسٹی شہنشاہ ایران نے پاکستان کے ساتھ تمام اختلافات کو پرامن طریقے سے طے کرنے کے لئے ہندوستانی مساعی پر اطمینان کا اظہار کیا۔

ہز امپیریل مجسٹی شہنشاہ آریہ مہر نے ہز ایکسلنسی صدر جمہوریہ ہند کو ایران کا دورہ کرنے کی رسمی طور پر دعوت دی۔ صدر جمہوریہ ہند نے یہ دعوت بخوشی قبول کی۔

ریلوے کلرک کو قید بامشقت کی سزا

حیدرآباد:۔ بمبئی پرودر ریلوے اسٹیشن کے کلرک انچارج مسٹری ڈی ایس پرشاد کو خصوصی پولیس اسٹبلشمنٹ مقدمات سکندرآباد کے خصوصی جج نے ۱۳ دسمبر ۱۹۷۳ء کو چار ماہ کی قید بامشقت کی سزا دی ہے اور ایک سو روپے جرمانہ عائد کیا ہے۔ جس کی عدم ادائی پر مزید پندرہ دن کی قید بامشقت ہوگی۔

ملزم پر الزام یہ ہے کہ اس حیثیت میں کام کرتے ہوئے اس نے مختلف پارٹیوں سے کل ۵۰۰ روپے کی رقم اخراجات بار برداری کے طور پر حاصل کی۔ مالی کو ادا شدنی "تفرقہ" ادا کی جس کا کبھی بھی کوئی ریکارڈ بنایا نہیں گیا۔ یہ رقم دسمبر ۱۹۷۲ء اور مئی ۱۹۷۳ء کے درمیان بے ایمانی اور دھوکہ دہی سے خرد برد کر لی گئی۔

اس کیس کی تحقیقات حکومت ہند کی وزارت امور داخلہ کے مرکزی محکمہ تحقیق کے خصوصی پولیس اسٹبلشمنٹ ڈویژن کی شاخ حیدرآباد نے کی تھی۔

ظاہر ہے رشوت دی جاتی ہے کہ رشوت لینے والا کوئی ایسا فیصلہ صادر کرے یا ایسی خدمت انجام دے جو حق اور انصاف کے خلاف ہو اور اس کے برعکس رشوت اس لئے بھی دی جاتی ہے کہ رشوت دینے والے کو کوئی غیر معمولی رعایت حاصل ہو جائے۔ یہ دونوں صورتیں سماج کی ہم آہنگی اور توازن بگاڑ دیتی ہیں۔ اور برائیوں کو فروغ دیتی ہیں۔ اسی لئے اسلام نے رشوت کو جرم قرار دے کر معاشرہ کو متوازن اور صحت مند رکھنے کی راہ پر ایک نہایت اہم قدم اٹھایا ہے۔

رشوت کے متعلق اسلام نے جو احتیاطی اقدامات کئے ہیں ان کی مثال دنیا کے کسی اصلاحی ضابطہ اور کسی اخلاقی یا ریاستی قانون میں نہیں ملتی۔ مثلاً اسلام نے حکام اور قاضیوں کو ہدیے اور تحفے قبول کرنے سے بھی منع کیا ہے اور قاضیوں کو رشوت لینے کو اسی بنا پر کفر کے درجہ میں رکھا ہے کہ وہ دنیا میں انصاف اور عدل کے قیام کے ذمہ دار ہیں۔

بقیہ صفحہ ۱۱

عارف کو چین تھی یا پریگی کہتے ہیں: ملفوظ میں گیان کو طریقت، سلوک اور یوگی کو صوفی سالک، مشائخ یا مرشد کہا جاتا ہے فلسفہ ہندو کو ویدک سے ہونات اور ویدک سے یا صوفی کو تصوف کہتے ہیں۔

(صفحہ: چھوٹا مگی عرف وصال فقیر الرحمت بابک ہیر مٹا طیفی) (بعرف حضرت اللہ کو خرقہ عید اعلی)

مجرب نسخہ جات

از:۔ حکیم و ڈاکٹر عبدالباسط خاں سیفی جاتی راجمندری

یرقان:۔ اس دوا کی خوراک پیتے رہنے سے یرقان کا مرض بھی تھوڑے ہی دنوں میں ٹھیک ہو جاتا ہے۔ آنکھوں کی زردی اور کمزوری مدت سے ہو باقی رہتی ہے۔ مغز کدو شیریں چھ ماشہ، تمر ہندی ڈال ایک تولہ، دونوں کو باریک پیس کر محفوظ رکھیں۔ دن میں دو تین بار نسوار لیں۔

کالی کھانسی:۔ دار شیشم کی لکڑی جلا کر خاک بنالیں۔ رتی سے ایک رتی حسب عمر و سال کھانڈ ملا کر کھلائیں۔ (۲) پھٹکری بریاں ½ رتی سے ایک رتی حسب عمر و سال کالی کی کھانسی کے لئے نہایت زود اثر ہے۔

شدید کھانسی:۔ جگر مچھ، سانپ گرفت انگشت شہادت کے موٹائی کے برابر تقریباً ڈیڑھ فٹ لمبے پارچے بنالیں اور ٹوکری میں لٹکا کر دھوپ میں خشک کریں۔ کھانسی جانے کے بعد ایک ایک انچ کے ٹکڑے کاٹ کر مٹی کا برتن کے والی شیشی میں محفوظ کر لیں۔ ایک خشک ٹکڑا کوئلے کی آگ پر بھون کر چبا کر کھانے کی ہدایت کریں۔ صبح و شام دو خوراک سے زیادہ نہ دیں۔ شدید کھانسی کو تین دن میں مکمل آرام ہو جاتا ہے۔

ناجائز نفع اندوزی حرام ہے

اسلام نے نہایت سخت الفاظ میں حرام مال حاصل کرنے سے ممانعت کر دی۔ رشوت، سود خوری، خیانت، ذخیرہ اندوزی، ناجائز اور غیر متوازن نفع خوری، نشہ آور چیزوں کی خرید و فروخت، غلہ اور دوسری چیزوں کا سٹہ درختوں پر پھلوں کی مقدار متعین ہو جانے سے پہلے ہی ان کی خریداری اور سامان تجارت کے عیب کو چھپا کر اسے فروخت کرنا وغیرہ جیسے تمام امور اسلامی نقطہ نظر سے استحصال ہی ہیں۔ اور اسلام نے دولت کمانے کے ان تمام وسائل کو ممنوع قرار دیا ہے۔

باطل اور ناجائز طریقوں سے دولت کمانا استحصال ہی نہیں ہے بلکہ اس سے معاشرہ میں ایسی برائیوں کی تخلیق بھی ہوتی ہے جو اس کے توازن اور ہم آہنگی کو تباہ کر دیتی ہیں۔ اور اور چونکہ اسلام ایک متوازن، ہم آہنگ اور ترقی پذیر معاشرہ کے قیام کا علمبردار ہے۔ اسی لئے باطل طریقوں سے دولت حاصل کرنے کے متعلق اس کی مخالفت اور ممانعت معاشی طور پر بھی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر اس بات کو لینا چاہئے کہ رشوت صرف اسی مقصد

۳

عبدالعزیز رحمانی

اڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے دائرہ الیکٹرک پریس چھتہ بازار حیدرآباد میں چھپوا کر دفتر عزیز گنی گلی کرنول سے شائع کیا

REGD, No. H-497 خریداری نمبر

FROM

AZIZ FORTNIGTLY KURNOOL (A.P)